مونوگراف

حضرت غیاث گوالیاری

ڈاکٹر قمر گوالیاری

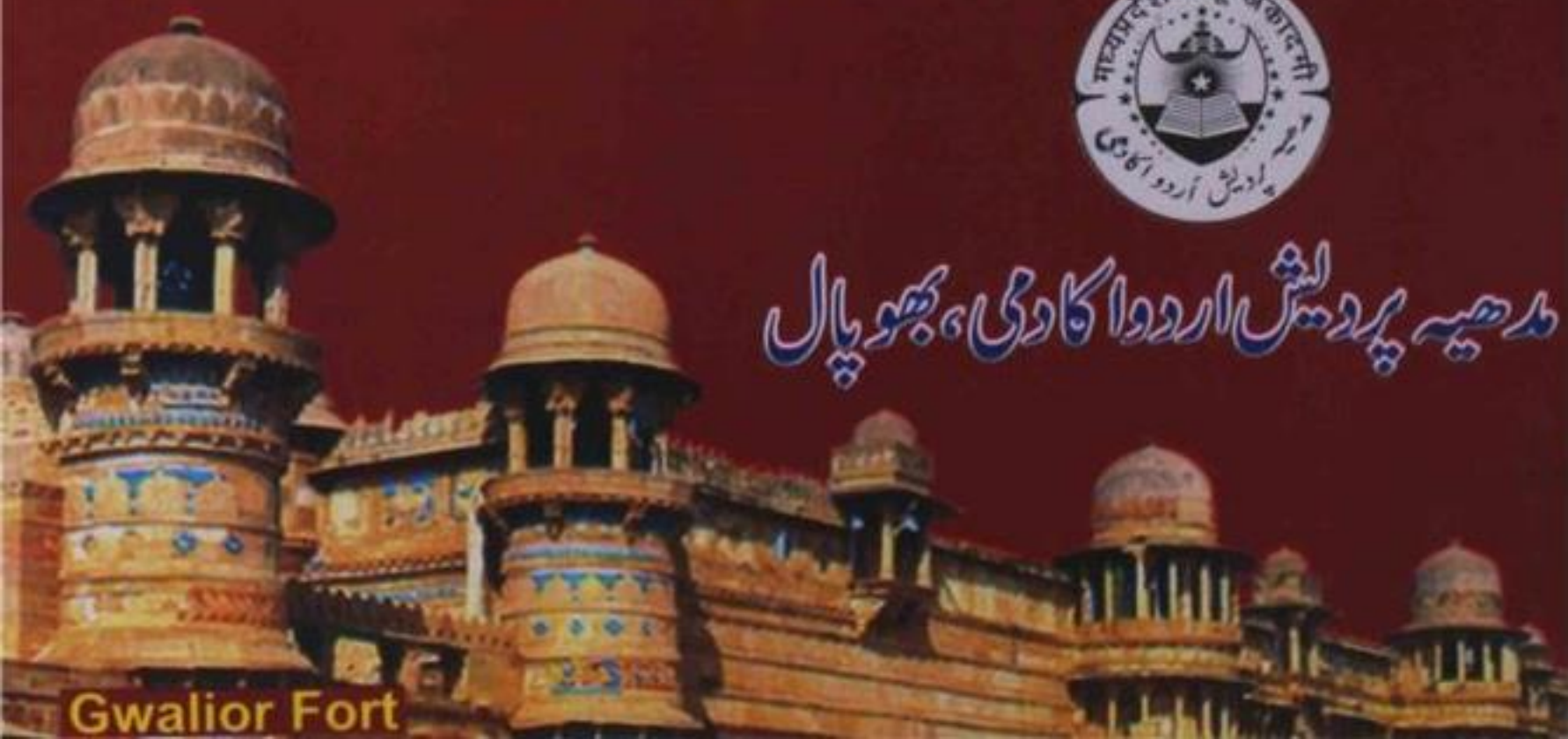

مدھیہ پردیش اردو اکادمی، بھوپال

مونوگراف

حضرت غمگین دہلوی

ڈاکٹر قمر گوالیاری

مدھیہ پردیش اردو اکادمی، بھوپال

MONOGRAPH

HAZRAT GHAMGEEN DHELVI

BY : DR. QAMAR GWALIARY

(Qamaruddeen Bartar)

نام کتاب : حضرت غمگین دہلویؒ (مونوگراف)

مرتب : ڈاکٹر قمر گوالیاری

© مدھیہ پردیش اردو اکادمی، بھوپال

سنِ اشاعت : 2017ء

تعداد : 300

قیمت : -/80روپے

سرِ ورق : ڈاکٹر قمر گوالیاری

کمپوزنگ : محمد اسعد، مرحبا کمپیوٹر، بھوپال

طباعت : ایچ۔ایس۔آفسیٹ پرنٹرز، چاندنی محل، دہلی-2

سلسلۂ مطبوعات مدھیہ پردیش اردو اکادمی۔143

سکریٹری مدھیہ پردیش اردو اکادمی نے ایچ۔ایس۔آفسیٹ پرنٹرز، چاندنی محل دہلی۔۲ سے چھپوا کر دفتر مدھیہ پردیش اردو اکادمی، ملاّ رموزی سنسکرتی بھون، بان گنگا روڈ، بھوپال۔462003 (ایم.پی.) سے شائع کیا۔

پیش لفظ

اردو ہندوستان کی زبانوں میں ایک بہت اہم اور طاقت ور زبان ہے جو اپنے لب و لہجے کی تونگری اور شیرینی کے باعث ہر دلعزیز اور مقبول عام ہے۔ اس زبان کی اپنی تہذیب ایک عظیم الشان روایت اس ملک کے طول و عرض میں رہی ہے۔

ہندوستان کی دیگر زبانوں کی طرح مرکزی اور ریاستی حکومتیں اردو کی ترقی اور ترویج کے لیے بھی کوشاں ہیں اور اپنے اپنے دائرہ کار اور وسائل کے مطابق عمل کر رہی ہیں۔ اس زبان کی ہمہ گیر ترقی کے لیے ان ریاستوں میں جہاں اردو بولنے اور پڑھنے والوں کی معقول تعداد ہے اردو اکادمیاں قائم کی گئیں۔ مدھیہ پردیش بھی ان ریاستوں میں شامل ہے جہاں باقاعدہ ریاستی اردو اکادمیاں برسرِ عمل ہیں۔

اردو زبان و ادب کی ہمہ جہتی ترقی کے علاوہ مدھیہ پردیش اردو اکادمی کے مقاصد میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اس صوبے کے ادیبوں، شاعروں، نقادوں اور دیگر مصنفوں کی دو طرح معاونت کرتی ہے۔ اوّل یہ کہ وہ ادیب جو اپنی تصانیف کی خود اشاعت کرنا چاہتے ہیں انھیں اکادمی معقول مالی تعاون دیتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اکادمی کتابوں کی اشاعت کا خود بھی منصوبہ رکھتی ہے جس کے تحت صوبے کے بعض مصنفین کی کتابیں اکادمی کی طرف سے شائع کی جاتی ہیں۔ ان دونوں امور کا فیصلہ ماہرین پر مشتمل کمیٹی کی رائے کے مطابق کیا جاتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب اکادمی کے اپنے اشاعتی منصوبے کا ایک حصہ ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اردو حلقوں میں اس کتاب کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔

ڈاکٹر نصرت مہدی

سکریٹری، مدھیہ پردیش اردو اکادمی، بھوپال

دل کی بات

قدیم زمانے سے گوالیار اردو زبان وادب کا مرکز رہا ہے۔ یہاں وہ نامور سخنور ہوئے ہیں جن کا اردو ادب کی تاریخ میں درخشاں کردار رہا ہے۔ یہاں ۱۸۱۵ء سے ۱۸۵۱ء تک فارسی اردو کے عالم، استاد شاعر ولی صفت متبرک شخصیت حضرت غمگینؒ دہلوی رہے ہیں۔ آپ نے یہاں کے پرسکون ماحول میں مع اہلِ خانہ رہائش پسند فرمائی۔ یہیں آپ کی ۷۹۹ غزلیات کا دیوان ۱۸۳۷ء میں اور اٹھارہ سو رباعیات کا دیوان ۱۸۳۹ء میں مکمل ہوئے۔ ۱۸۵۱ء میں آپ کی وفات گوالیار میں ہوئی۔ یہیں آپ کا مزار شریف ہے۔ یہیں آپ کے وارثان مقیم ہیں۔ حضرت غمگینؒ کے پانچویں سجادہ نشین سید اعجاز محمد حضرت جی نے مجھے حضرت غمگینؒ کی غزلیات ورباعیات کے دیوان اوران کے متعلق مضامین کی کتب عنایت فرمائیں جو اس مونوگراف کی تصنیف میں کام آئیں۔ سید اعجاز محمد حضرت جی اب دنیا میں نہیں ہیں۔ اللہ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

مدھیہ پردیش اردو اکادمی بھوپال کے قیام سے اب تک کے زمانہ میں فروغِ اردو زبان وادب کے مقصدِ جمیل کے تحت کئی اہم کارنامے یادگار وشاندار ہوئے ہیں۔ اب مدھیہ پردیش کے عالی مرتبہ شعراء وادباء کے مونوگراف کی اشاعت کا طے ہونا اہمیت کا حامل اقدام ہے جس سے مدھیہ پردیش کی عظیم شخصیات کی سوانح اوران کی نگارشات اہلِ علم، اسکالرز اور قارئین حضرات نسل در نسل واقفیت حاصل کرتے رہیں گے۔

استاد الشعراء، صوفیِ اکرم حضرت غمگینؒ کی شخصیت اوران کے فن کا اظہاریہ (مونوگراف) تحریر کرنے کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی جس کے لیے مدھیہ پردیش اردو اکادمی بھوپال کا میں شکر گزار ہوں۔

جانے مانے ادیب وشاعر ضیاء فاروقی صاحب نے مونوگراف کے متعلق بنیادی امور سے مجھے روشناس کیا اور نمونتاً اپنی تصنیف 'سہا مجدی' (مونوگراف) ارسال فرمائی، میں مکرمی ضیاء فاروقی صاحب کا متشکر ہوں۔

ڈاکٹر قمر گوالیاری
Mob. 09425777727

بسم الله الرحمن الرحیم

حضرت مولانا سید عبدالقادر صاحب

حامد لله محمد نعت حقیقت را لغت صورت نمود اعنی سید علی عرف حضرت غمگین متخلص متوطن دهلی بن سید حسن

سکه چون گرانگر شهر زبانه بود و باشرین خاطر مستقر بهور کر الیاد افتاد و تجنبان برادر عزیز از جان سید ارجمند

المشتهر بمرزا نوشه تخلص بغالب اسد متوطن اکبرآباد و بدهلی اقامت نمودند و تفکر و تشرد رهنگ تبلیغ

نداشتند والله تعالی انچه دل و دماغ ایشان را عطا فرموده که یافت میشود و در علوم ظاهر بهره تمام

دارند و در مذاق صوفیه صافیه قدس سرهم نیز ذوقی و مذاق تمام بهم رسانیده بجوه شعر شده

لهذا بی اختیار انچند رباعیات در بعضی مسایل تصوف و اصطلاحات و مقامات و حالات و خطرات

و واردات عشق حقیقی و مجازی و تجلیات صوری و معنوی خود در اذکار و اشغال و مشاهده و مراقبه بعضی

حاصلش آنکه همچو سالک را در سیر راه فرو بست بطور دیوان مرتب و تالیف دارالنوشته گشتند و نام

این دیوان رباعیات را مکاشفات الاسرار نهاده امید چنان دارم که از برکت صفا دل ایشان دیگران

هم ازین شراب طیب بهره و آشنائی برند لیکن حکم کرمار زبان بیان حال نیست و لبعض رباعیات چنان

گفته شده است که سوای عارف صاحب حال را بفهمیدن آن متعذر و الصلوة والسلام علی من قال انا من نور الله و خلق کلهم من نوری

و بعضی چونکه حدیث شریف است قال امرؤ بال لم یبدأ ببسم الله فهو ابتر از ینجهت نیز فرو نگذاشتند که بمعنی بسم الله بطور بدیع شروع کرده آید

عکسِ تحریر حضرت غمگینؒ دہلوی

سلسلہ

شمار		صفحہ
۱	حضرت غمگین دہلویؒ گوالیار کی جغرافیائی صورت	7
۲	گوالیار کا تاریخی جائزہ	8
۳	شجرہ ءِ مبارک	22
۴	سوانحی معلومات	24
۵	تصانیف	27
۶	نقاد کی نظر میں	30
۷	رباعیات کا جائزہ	31
۸	مذہبی رباعیات	37
۹	دانشوروں کی نظر میں	42
۱۰	مکاشفات الاسرار	56
۱۱	مکتوبات	63
۱۲	غزلیات کا جائزہ	68
۱۳	مخمسات	75
۱۴	خصوصیات مخزن الاسرار	82
۱۵	انتخاب غزلیات	87
۱۶	کتابیات	120

حضرت غمگین دہلوی

اسم گرامی میر سید علی، تخلص غمگین، معروف حضرت جی۔ آپ اپنے دور کے ایک جید عالم، باکمال شاعر اور سلسلہءِ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور ابوالعلائیہ کے معتمد صوفی ہوئے ہیں۔ اردو زبان کی ارتقاء میں ہندوستان کے صوفی حضرات نے اہمیت کے حامل جو کارنامے انجام دیئے ہیں وہ کسی تعارّف کے محتاج نہیں۔ علامہ محمد حسین آزاد دیباچہءِ دیوانِ ذوق اور معلوماتی تصنیف ''آبِ حیات'' کے مطابق شیخ ابراہیم ذوق اور نواب الٰہی بخش خاں معروف حضرت غمگینؒ سے مشورہءِ سخن کیا کرتے تھے، مرزا اسداللہ خان غالب نے تو حضرت غمگینؒ کو ان کی شاعرانہ اور صوفیانہ عظمت کے سبب اپنا پیر و مرشد تسلیم کیا۔''

ایک متبرک ہستی تھے حضرت غمگینؒ۔ آپ کی سوانحی، علمی، ادبی، روحانی معلومات سے قبل معزز قارئین کے لئے قبل مسیح کے دور سے حضرت غمگینؒ کے زمانے یعنی ۱۸۱۵ء تک گوالیار کی تاریخی و ادبی واقفیت ضروری ہے۔ کتاب ''گوالیار اور اُردو زبان و ادب'' صفحہ ۱۲ تا ۲۷ کے مطابق۔

گوالیار کی جغرافیائی صورت

ارضِ ہندوستان کے وسط میں صوبہ مدھیہ پردیش میں ایک کمشنری ڈویژن ہے گوالیار سمبھاگ جس کی حدود میں بھنڈ، مورینہ، دتیا، شِوپوری، گنا، شِوپور اور گوالیار یہ سات اضلاع شامل ہیں۔ کرہءِ ارض پر ۲۵۰۳۴ ڈگری سے ۲۶۰۳۱ ڈگری تک شمالی طول البلد اور ۷۷۰۴۰ ڈگری سے ۷۸۰۵۰ ڈگری تک مشرقی ارض البلد پر سمندر کی سطح سے ۲۹۲ میٹر کی اونچائی پر آگرہ ممبئی شاہراہ (Highway) پر واقع ہے شہر گوالیار۔ موسم کے لحاظ سے گوالیار میں تیز گرمی اور شدید سردی ہوتی ہے۔ بارش میں یہاں شدّت نہیں ہے۔ یہاں کوئی دریا بھی نہیں ہے۔ گوالیار شہر تین بڑے حصّوں میں منقسم ہے۔ (i) گوالیار اولڈ

سٹی (۲) مُرار (۳) لشکر۔

قبل مسیح

دنیا کے کسی بھی قابلِ ذکر خطے کی تاریخ، تہذیب اور ثقافت جس قدر قدیم ہے۔ اسی قدر گوالیار کی تاریخ، تہذیب اور ثقافت بھی قدیم ہے۔ محکمہ آثارِ قدیمہ کے سابق ڈائرکٹر رما کانت چترویدی نے اپنی تحقیقی کتاب ''گوالیار پراکھیان'' (قدیم تذکرہءِ گوالیار) کے صفحہ ۱۳ پر لکھا ہے۔

''آثار قدیمہ کی تلاش گوالیار علاقہ میں سب سے پہلے ۱۸۷۳ء میں ہوئی پھر ۱۹۳۵ء میں یہاں کھدائی ہوئی جس میں سر میکاؤن کے ساتھ بینرجی، پی کے تھاپر کو گوالیار میں کئی مقامات پر قدیم تہذیب کی اشیاء ملی ہیں''

۱۹۳۵ء میں تلاش کے اس کام میں بذات خود ڈائریکٹر رما کانت چترویدی بھی شامل تھے۔ اس تحقیق سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ یہاں ملے آثارِ قدیمہ کے نقوش سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ گوالیار میں انسانی وجود کا پایا جانا پانچ لاکھ سال قبل عیسیٰ کے زمانے سے ہے۔ انسانی زندگی کو ترقی کرتے ہوئے شہری زندگی میں آنے کے ثبوت ہڑپہ تہذیب سے ملتے جلتے نقوش و اشیاء گوالیار میں پائے گئے ہیں۔

گوالیار کا تاریخی جائزہ

گوالیار شہر کے درمیانی حصے میں ۶ کلومیٹر کے دائرے میں ۹۲ میٹر اونچا گوپ اَچل نام کا ایک پربت ہے جس پر گوالیار قلعہ قائم ہے۔ کتاب ''کلیاتِ گوالیاری'' از مورخ فضل علی شاہ قادری کی تحقیق کے مطابق عیسیٰ سے ۳۸۹ سال قبل گوالیار کے شمالی علاقہ کیتوار کا راجہ سورج سین شکار کی غرض سے نکلا۔ جب وہ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا تو وہ

گوپ اَچل پربت پر پہونچا۔ جہاں رشی گوالی پا سے اس کی ملاقات ہوئی۔ راجہ پیاسہ تھا۔ رِشی نے اُسے پینے کے لئے پانی دیا۔ پھر رِشی کے کہنے پر وہاں نکل رہے سوتے کے پانی سے راجہ نے غسل کیا تو راجہ کو جزام کے عارضے سے نجات ملی۔

دوسری بار گوپ اَچل پربت پر آ کر راجہ سورسین نے رِشی گوالی پا کے قدم بوسی کی اور بطور نذرانہ ءِ عقیدت مال وزر پیش کیا جسے رشی نے واپس کرتے ہوئے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ یہاں سوتے کے ارد گرد ایک حوض بنے اور اس پربت پر چاروں جانب احاطے کی دیوار تعمیر ہو۔ رِشی گوالی پا کی فرمائش کی تعمیل میں راجہ نے سوتے کو ایک پختہ حوض کی شکل میں تعمیر کرایا جو سورج کنڈ کے نام سے مشہور ہے۔ پربت پر احاطے کی دیوار بنوانا اس کی حیثیت سے باہر تھا۔ راجہ سورج سین کو رِشی گوالی پا نے سورج پال نام دیا اور اسے اس علاقہ کا راجہ ہونے کا اعلان کیا اور کہا کہ جب تک تیرے وارثان میں پال لفظ رہے گا پال حکومت قائم رہے گی۔

راجہ سورج پال نے رِشی گوالی پا کے نام پر اس علاقے کا نام ''گوالی اَر'' رکھا۔ ہندی لفظ اَر کے معنی ہیں گوشہ۔ گوالی اَر یعنی گوالی کا علاقہ۔ گوالی اَر نام کو گوالیر بولا جانے لگا۔ ہندی رسم الخط میں گوالیَر لکھا جاتا ہے جبکہ اردو زبان میں لکھا جاتا ہے گوالیار۔

انڈین گزیٹیر صفحہ ۳۲۴ کے مطابق راجہ سورج پال کے بعد اس کے گھرانے کے ۸۴ پال راجاؤں نے گوالیار پر حکومت کی۔ ۱۰۲۱ء میں محمود غزنوی نے گوالیار کو اپنے محاصرے میں لے لیا۔ اس وقت یہاں کے راجہ کیرتی پال نے محمود غزنوی سے صلح کر لی۔ اسی زمانے میں گوالیار میں مسلمانوں نے رہائش اختیار کی اور تبھی سے گوالیار میں ملی جلی زبان کے چلن کی ابتدا ہوئی۔ پال گھرانے کا ۸۴ واں راجہ تیج کرن راجستھانی راجکماری کے عشق کے سبب اپنے بھانجے پرمال دیو پریہار کو گوالیار کا راج کاج سونپ کر آمیر (راجستھان) چلا

گیا۔ راجہ کے نام میں پال نہ ہونے سے پال حکومت گوالیار میں برقرار نہیں رہی۔ رشی گوالی پا کی پیشین گوئی بھی یہ ہی تھی۔

راجہ سارنگ دیو پریہار کے دورِ حکومت میں محمد غوری نے ۱۱۹۲ء میں گوالیار کی سمت رُخ کیا راجہ سارنگ دیو نے سخت مقابلے کے بعد محمد غوری سے سمجھوتہ کرلیا۔

ڈاکٹر گلاب خان غوری کی تحقیقی کتاب ''گوالیار کا راجنیتک ایوم سانسکرتک اتہاس'' کے مطابق محمد غوری کی وفات کے بعد اس کے مقرر کردہ گوالیار کے حکمراں طغرل کو راجہ پریہار نے بے دخل کیا تو گوالیار قلعہ کی مشرقی جانب تین کلومیٹر کے فاصلے پر (جو علاقہ آج حظیرہ کے نام سے مشہور ہے) اپنا پڑاؤ قائم کیا اور وہاں راجہ سارنگ دیو پریہار اور طغرل کے درمیان ایک سال چھ ماہ تک معرکہ آرائی جاری رہی۔ جنگ میں ہلاک ہوئے فوجی یہیں دفنائے جاتے رہے۔

تاریخ فخر الدین مبارک شاہ مترجم رضوی کے مطابق ۱۲۰۰ء میں دہلی کے حکمراں قطب الدین ایبک کے دربار میں راجہ سارنگ دیو نے اپنے قاصد کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ ہم گوالیار کو آپ کے زیرِ حکومت سونپنا چاہتے ہیں۔ اس پیغام کے ملتے ہی ایبک فوج اور طغرل کے مابین تضاد برپا ہوا۔ اسی درمیان طغرل کی موت ہوئی۔

سلطان قطب الدین ایبک نے شمس الدین التمش کو گوالیار قلعہ کا امیر مقرر کیا۔ اسی اثناء میں قطب الدین ایبک کا انتقال ہوا تو التمش نے گوالیار جانا موقوف کر دیا۔ اسی زمانے میں مشہور مورخ منہاج السراج نے ''طبعقاتِ ناصری'' صفحہ ۶۱۷ پر تحریر کیا ہے کہ راجہ منگل دیو ملیئے ورمن ۱۲۲۳ء میں گوالیار کا حکمراں بن گیا تب ۱۱ دسمبر ۱۲۲۳ء کو شمس الدین التمش نے گوالیار پر یورش کر دی۔ گوالیار قلعہ کی مغربی سمت ورمن اور التمش کے درمیان جنگ میں التمش کو فتح حاصل ہوئی۔

التمش نے رشید الدین کو گوالیار کا حکمراں اور بہادر خان کو شہر کوتوال مقرر کیا۔ ضیاء الدین جنیدی کو یہاں کا امیر بنایا اور فارسی کے مورّخ محقق اور شاعر منہاج السراج کو قاضی القضاۃ، خطابت و امامت کی ذمہ داری سونپی۔ التمش نے قلعہ پر مسجد بنوائی۔ التمش نے شہر گوالیار میں پانی کی قلّت کو دیکھتے ہوئے نو باؤلیاں اور آٹھ کوئیں پختہ تعمیر کرائے۔ گوالیار قلعہ کی مغربی جانب میدان میں ۳۰۰ فٹ چوڑے اور ۶۰۰ فٹ لمبے تال کی پکّی تعمیر بھی اسی زمانے ہوئی۔ اس تال کی گہرائی زمین میں پاتال سے پانی نکل آنے تک کی ہے۔ چونکہ اس میدان میں فوجی پڑاؤ رہا ہے۔ فوجی گھوڑوں کو پانی پینے کے لئے تال کی دو جانب رپٹ بنائی گئی تا کہ گھوڑے آسانی سے پانی کی سطح تک جا کر پانی پی سکیں اور سقّہ (بھشتی) مشکوں سے پانی بھر کر لے جا سکیں۔ یہ تال ساگر تال کے نام سے مشہور ہے۔

گوالیار کو ایبک سلطنت میں شامل کر کے التمش دہلی پہونچا۔ قطب الدین ایبک کے بعد التمش نے قطب مینار کی تعمیر کو مکمل کرایا۔ التمش کے انتقال کے بعد اس کی بیٹی رضیہ سلطان تخت نشین ہوئی۔ دنیا میں یہ پہلی خاتون ہندوستان کی ملکہ ہوئی۔ رضیہ سلطان نے تاج الدین سنجر کو گوالیار کا حکمراں بنایا اور منہاج السراج کو یہاں کا قاضی القضاۃ کے ساتھ مدرسہ ناصریہ کی ذمہ داری سونپی۔

غلام خاندان کے بعد خلجی خاندان نے ہندوستان پر اپنا اقتدار قائم کیا۔ حکمراں جلال الدین خلجی ۱۲۹۵ء میں گوالیار آیا۔ ''تاریخ فرشتہ'' ناشر نول کشور صفحہ ۵۵ پر مورّخ فرشتہ نے لکھا ہے کہ جلال الدین خلجی نے گوالیار میں مسافروں کے لئے ایک سرائے بنوائی۔

دہلی سلطنت پر ۱۳۲۵ء میں تغلق خاندان نے اپنا اقتدار جمالیا۔ تب بھی گوالیار دہلی سلطنت کا ایک صوبہ برقرار رہا۔ اس زمانے میں مشہور مورّخ ابن بطوطہ دو بار گوالیار میں مقیم رہا۔

۱۳۹۴ء میں علاؤالدین سکندر شاہ تغلق نے ویر سنگھ کو گوالیار کا حکمراں مقرر کیا۔ اس طرح گوالیار میں تومر راجپوتوں کی حکومت کا آغاز ہوا۔

۱۴۸۰ء میں راجہ کلیان سنگھ تومر گوالیار کا حکمراں ہوا۔ مورّخ فضل علی شاہ قادری کی تحقیقی کتاب ''کلیات گوالیاری'' صفحہ ۵۴ کے مطابق راجہ کلیان سنگھ تومر سنسکرت زبان کا عالم تھا اسے فارسی زبان سے بھی واقفیت حاصل تھی۔ اس نے حضرت سلیمانؑ کے حالاتِ زندگی پر منحصر کتاب سنسکرت زبان میں ''سلیمان چرتر'' لکھی جسے لاد خاں کو پیش کیا گیا۔

''طبقات مصحفی'' از رزق اللہ مترجم رضوی باب اوّل صفحہ ۲۰۱ پر درج ہے کہ ۱۴۸۴ء میں بہلول لودی نے اپنی سلطنت کو دیگر مراکز میں تبدیل کیا اور احمد خان کو اَودھ کا سردار بنایا تو وہ اس عہدے سے غیر مطمئن ہو کر اپنے فرزند لاد خاں کے ساتھ دہلی سے گوالیار آ گیا۔ احمد خان کے ہمراہ کئی مسلمان بھی گوالیار آئے جن میں شطاریہ سلسلے کے ولی شیخ ظہور حاجی حمید الدین حضورؒ بھی شامل تھے۔ لاد خاں اور راجہ کلیان سنگھ کے درمیان دوستانہ تعلقات بڑھے اس دوستی کی نشانی کے طور پر گوالیار قلعہ کی شمالی جانب لاد خاں نے ایک پہاڑی پر عالی شان دروازہ بنوایا۔ اس دروازے کو ''لادیاری'' نام دیا گیا۔ لادیاری سے نام لادیری ہوا۔ اب وہ دروازہ لڈھیری کے نام سے جانا جاتا ہے۔

انڈین گزیٹیر گوالیار از کرشن صفحہ ۲۸ کے مطابق راجہ کلیان سنگھ کے بیٹے راجہ مان سنگھ تومر نے ۱۴۸۶ء سے ۱۵۷۱ تک گوالیار میں حکومت کی یہ زمانہ تومر حکومت کا سنہری زمانہ مانا جاتا ہے۔ یہ زمانہ علمی، ادبی، موسیقی اور ثقافتی ترقیات کا زمانہ رہا ہے۔ راجہ مان سنگھ فن موسیقی کا ماہر تھا۔ دُھرپد پر گائکی اسی عہد میں رائج ہوئی۔ راجہ مان سنگھ نے گوالیار قلعہ پر عالیشان مان مندر محل بنوایا جو گوالیار کی پہچان ہے۔

راجہ مان سنگھ تومر کے عہدِ حکومت میں (کتاب ''فیضان ولایت'' از غلام محی

الدینؒ صفحہ ۱۸ کے مطابق) ۱۴۹۲ء میں چشتیہ سلسلہءِ اقدس کے ولی مکرم شاہِ ولایت حضرت خواجہ سعید الدین خانونؒ ناگور (راجستھان) سے گوالیار آئے آپ نے یہاں خانقاہ قائم کی اور معرفت و وحدت اور انسانی محبت کی تلقین فرمائی۔ آپ فارسی کے عالم و شاعر بھی تھے۔ آپ کی فارسی شاعری کا مجموعہ ''مفتاح الوصول'' ہے جس میں دس ابواب ہیں۔ یہ شاعری روحانیت، وحدانیت اور انسانیت کی تدریس ہے۔

کتاب ''گوالیار کا راجنیتک ایوم سانسکرتک اتہاس'' از ڈاکٹر گلاب خاں غوری صفحہ ۴۱ پر لکھا ہے۔ ۱۵۲۳ء میں (راجہ مان سنگھ تومر کے بیٹے راجہ وکرمادِتیہ تومر کے زمانے میں) حضرت شیخ محمد غوثؒ کا بہار شریف کے عظیم آباد اب جس کا نام پٹنہ ہے، سے گوالیار آنا ہوا۔ چندر پربھو کا مندر جسے ویرم دیو تومر کے وزیر کش راج نے گوالیار قلعہ کی تلہٹی میں بنوایا تھا وہاں حضرت محمد غوثؒ نے کچھ دن قیام فرمایا پھر آپ نے گوالیار قلعہ میں رہائش اختیار کی۔ اسی زمانے سے آپ کے اسم شریف کے ساتھ گوالیاری لفظ کا اضافہ ہوا۔ آپ شیخ ظہور حاجی حضور عرف حاجی حمیدؒ کے مرید تھے۔ سلسلہ آپ کا شطاریہ تھا اور سلطان العارفین شیخ بایزید بسطامیؒ سے آپ کی نسبت خاص تھی۔ آپ عربی فارسی زبان کے عالم تھے۔ آپ علم معرفت و طریقت سے مزین تھے۔ مسلم، ہندو سبھی کو آپ سے دلی رغبت و عقیدت تھی۔ گجرات، دہلی، بنگال اور مہاراشٹر کے نامی مشائخ اور سنت آپ کے معتقد رہے ہیں۔

۱۵۲۵ء میں ظہیر الدین محمد بابر نے پانی پت میں جنگی مقابلے میں ابراہیم لودی کو شکست دی۔ اور ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کا آغاز ہوا۔ اس زمانے میں تاتار خاں گوالیار کا نگراں تھا۔ تب راجہ دھرمنگ دیو اور راجہ نرسنگھ دیو نے گوالیار پر قابض ہونا چاہا تو تاتار خاں نے بذریعہ عرضداشت بادشاہ بابر کی اطاعت کا اظہار کیا۔ بابر نے رحیم داد خاں سپہ سالار کے ساتھ مغل فوج کو روانہ کیا۔ جب مغلیہ فوج گوالیار قلعے کی مغربی جانب پہونچی

تو اطراف کے راجہ اِدھر اُدھر ہو گئے۔ یہ دیکھ کر تاتار خاں اطاعت کے قول سے پھر گیا۔ حضرت شیخ محمد غوث گوالیاریؒ تب گوالیار قلعہ میں مقیم تھے۔ اُن کے نیک مشورے سے خفیہ طور پر مغلیہ فوج رات میں اُروائی دروازے سے قلعہ کے اندر داخل ہوئی اور تاتار خاں کو سرنگوں ہونا پڑا۔

''تزک بابری'' کے مطابق ۱۵۲۷ء میں مغل بادشاہ بابر نے گوالیار کی سیر کرنے کا ارادہ کیا۔ راجہ ڈونگر سنگھ تومر کے زمانے میں تعمیر ہوئی عیدگاہ جو گوالیار قلعہ کی مغربی سمت آگرہ ممبئی روڈ کے کنارے پر ٹرانسپورٹ نگر کے سامنے ہے وہاں ظہر کی نماز ادا کر کے بابر اپنے عملے کے ساتھ گوالیار قلعے میں داخل ہوا۔ وہاں رحیم دادا خاں کے تعمیر کرائے مدرسے میں بابر نے قیام فرمایا۔

''تزک بابری'' (بابر کی ڈائری) میں تحریر ہے کہ بابر نے دوسرے دن صبح راجہ مان سنگھ تومر کا محل دیکھا بابر کی نظر میں مان مندر محل اور گوجری محل بہت خوبصورت اور عالیشان عمارتیں ہیں۔ مان مندر محل پر پانچ گنبد ہیں جن پر تانبہ چڑھا ہوا ہے۔

ڈاکٹر ہری ہرنواس دِویدی نے اپنی ہندی کتاب ''گوالیار کے تومر'' صفحہ ۳۵۶ پر لکھا ہے کہ گنبدوں پر چڑھا تانبا سونا بابر نے اُتار لیا ہو''

یہ دِویدی جی کی غلو بیانی ہے ان کے جملے ''بابر نے اتار لیا ہو'' سے خام خیالی ظاہر ہوتی ہے۔ دِویدی جی نے تانبے کے ساتھ سونا بڑھا دیا۔ مورخ ای مارسڈن ''ہسٹری آف انڈیا'' مترجم لالہ جیارام اور عمادالدین صفحہ ۷۹ تا ۸۰ میں درج ہے۔ ''ہندوستان میں آنے سے بابر کی مراد یہ نہیں تھی کہ وہ ہندوؤں کو قتل کرے، ان کے مندروں کو مسمار کرے اور ہندوستان میں لوٹ پاٹ کرے۔ وہ چاہتا تھا کہ نیک اور معقول بادشاہوں کی طرح اس ملک پر حکومت کرے۔''

تزک بابری سے واضح ہے کہ بابر نے گوالیار قلعہ پر تیلی کا مندر دیکھ کر کہا مندر خوبصورت ہے۔ دوسرے دن قلعے میں تراشے گئے جین مجسمے دیکھے۔ بڑے مجسمے کا قد ۵۰ فٹ ہے۔ سبھی بُت برہنہ ہیں۔ قلعہ پر دو حصّوں میں تعمیر مندر (سہستر باہو مندر) بابر نے دیکھے۔ بابر نے مجسمہ سازی، سنگ تراشی، صناعی کی بے حد تعریف کی صرف برہنہ بُت دیکھنا اُسے پسند نہیں آئے۔

بابر نے حضرت شیخ محمد غوث گوالیاریؒ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ بابر کے جانے کے بعد پہاڑ میں تراشی گئیں برہنہ جین مورتیوں کو مسمار نہیں کیا گیا بلکہ یہ کیا کہ مورتیوں کے آگے ستون بنوا کر مورتیوں کے درمیانی حصّے کے سامنے پردے کے طور پر شہ تیر رکھوا دیئے گئے۔

بادشاہ بابر نے اپنے فرزند نصیر الدین محمد ہُمایوں کو اپنی وصیت میں تلقین فرمائی ''میرے بیٹے، ہندوستان میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں۔ توہم پرستی سے اپنے دماغ کو متاثر نہ ہونے دینا۔ تمام لوگوں کے مذہبی عقائد اور روایات کا لحاظ رکھنا۔ تمہیں گائے کشی سے بچنا ہے۔ کسی بھی فرقے کے مذہبی مقامات، عبادت گاہ (مندروں) کو مسمار نہیں ہونے دینا ہے اسلام کی تبلیغ پیار اور وفا کے عمل سے ہی بہتر ہوگی انسان کو وہ حرکت نہیں کرنا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے نام پر دھبہ آئے۔''

بادشاہ بابر کی وصیت ڈاکٹر گلاب خاں غوری اور ڈاکٹر رام وِدروہی کے پی ایچ ڈی کے مقالے کی ہندی کتب میں نمایاں ہے۔ ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہجہاں، اورنگ زیب اور بہادر شاہ ظفر تک سبھی مغل حکمرانوں نے بابر کی وصیت پر عمل کیا۔ ہمایوں جب ہندوستان کا بادشاہ ہوا تب اس کا دو بار گوالیار آنا ہوا۔ اس نے یہاں کی تعریف بھی بہت کی ۔۱۵۵۳ء میں شاہی دربار کے اجلاس میں ہمایوں کا گوالیار میں قیام رہا۔ اسی زمانے میں

گوالیار قلعہ پر ہمایوں محل کی تعمیر ہوئی۔ گوالیار کے خوش فضا ماحول سے ہمایوں بے حد خوش تھا۔

ہمایوں کچھ ہی مدّت حکمراں رہ پایا۔ وہ شیر شاہ سوری کا مقابلہ نہیں کر پایا اور ہندوستان پر شیر شاہ سوری قابض ہو گیا۔ ''ہسٹری آف شیر شاہ سوری'' از صدیقی صفحہ ۱۵۴ کے مطابق شیر شاہ سوری کے بعد اسلام سوری اور اس کے بعد عادل شاہ سوری نے ہندوستان پر حکومت کی۔ عادل شاہ سوری نے تو گوالیار کو دوئم راجدھانی بنانا چاہا۔ اس نے اپنے عدل و منصفی کے محکمے گوالیار میں رکھے۔ عادل شاہ کو موسیقی سے خاص شغف تھا۔ اس نے گوالیار میں موسیقی کے فن کو وسعت دی۔ ۱۵۵۴ء میں عادل شاہ کا دربار گوالیار میں منعقد ہوا۔ جس میں بابا رام داس، گوپال اور تان سین گلوکار شامل تھے۔ مایہ ناز گلوکار و موسیقار تان سین گوالیار کے موضع بہیٹ میں پیدا ہوئے۔ گوالیار میں حضرت شیخ محمد غوث گوالیاریؒ کی مشفق نگرانی میں تان سین کی تربیت ہوئی۔ گوالیار میں ہی تان سین نے موسیقی اور گائکی کی تعلیم حاصل کی اور وہ عظیم گلوکار و موسیقار گردانے گئے۔

شہنشاہ اکبر کا دو بار گوالیار میں آنا ہوا۔ اوّل جب وہ حضرت شیخ محمد غوثؒ گوالیاری کا مرید ہوا۔ حضرت شیخ محمد غوث گوالیاریؒ کے معتقد بادشاہ بابر اور ہمایوں بھی تھے۔ دوسری بار بادشاہ اکبر گوالیار میں حضرت شیخ محمد غوث گوالیاریؒ کے مزار شریف کی زیارت کے لیے آیا۔ حضرت شیخ محمد غوث گوالیاریؒ کا مقبرے حظیرہ مقام پر تعمیر ہوا۔ ۱۵۶۳ء میں حضرت شیخ محمد غوث گوالیاریؒ اکبر آباد (آگرہ) میں قیام کے دوران رحلت فرما گئے۔ آپ کو عارضی طور پر آگرہ میں مدفون کیا گیا۔ آپ کی وصیت مبارکہ تھی کہ آپ کا مقبرہ گوالیار میں ہو۔ مقبرے کی تعمیر کے لئے اکبر نے خاصی رقم آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ عبداللہ کو سونپی۔ گوالیار میں یہ مقبرہ منفرد فنِ تعمیر کی وجہ سے دور دور تک مشہور ہے۔ یہ مقبرہ

2 افغانی اور گوالیاری عمارت سازی کے امتزاج کا خوبصورت نمونہ ہے۔ پتھروں میں تراشے گئے نقش ونگار اور پتھر کی خوبصورت جالیوں والا یہ مقبرہ اپنی مثال آپ ہے۔

۲۹ سال میں مقبرہ خطیرہ میں تعمیر ہو جانے کے بعد حضرت شیخ محمد غوث گوالیاریؒ کی جسد کی خاک کو آگرہ سے لاکر یہاں مدفون کیا گیا۔ ڈاکٹر ہری ہرنواس دِویدی نے اپنی کتاب ''گوالیار کے تومر'' صفحہ ۳۰۹ پر لکھا ہے کہ چندر پربھو کے مندر میں محمد غوث کو دفنایا گیا اور اسے مقبرے کی شکل دے دی گئی۔

ڈاکٹر گلاب خاں غوری کی تحقیقی کتاب ''گوالیار کا راجنیتک ایوم سانسکرتک اتہاس'' کے مطابق چندر پربھو کا مندر قلعہ کے پاس تھا۔ جبکہ حضرت شیخ محمد غوث گوالیاریؒ کا مقبرہ گوالیار قلعہ کی مشرقی جانب دو ڈھائی کلومیٹر کی دوری پر مقام حظیرہ میں ہے۔

گوالیار میں جو بھی جنگی مقابلے ہوئے وہ گوالیار قلعہ کے مشرقی اور مغربی میدان میں ہوئے۔ جنگ میں جو افراد کام آتے گئے وہیں میدان میں انہیں دفنایا جاتا رہا۔ قلعہ کے مغربی جانب بہوڑہ پور سے ساگر تال کے آگے تک قبرستان آج بھی موجود ہیں اور قلعہ کی مشرقی جانب قلعہ گیٹ سے کوئی تین کلومیٹر کی دوری پر ایک قدیمی قبرستان ہے جو حظیرہ کے نام سے مشہور ہے۔ عربی لفظ حظیرہ کے معنی ہیں قبرستان کا احاطہ۔

حضرت شیخ محمد غوث گوالیاریؒ قلعہ میں مقیم رہے۔ انہوں نے اپنی کوئی خانقاہ قائم نہیں کی۔ ان کی اولادوں کی رہائش قلعہ کے باہر رہی۔ گوالیار کے علاوہ حضرت شیخ محمد غوث گوالیاریؒ بہار، گجرات، مہاراشٹر اور آگرہ (یوپی) میں قیام پذیر رہے۔ ڈاکٹر سید یحیٰ نشیط کے تحقیقی مضمون ''مرشد مرید کی روایت'' ماہنامہ انشاء، کولکاتا شمارہ ستمبر اکتوبر ۲۰۰۳ء کے صفحہ ۸۳ کے مطابق حضرت شیخ محمد غوث گوالیاریؒ کے مرید راؤ محمد تھے جو قلعہ ءِ دولت آباد (مہاراشٹرا) کے نگہبان تھے۔ سنت چاند بودھلے معتقد تھے۔ مراٹھی سنت ایکناتھ مالوجی (شوا

جی مہاراج کے دادا) اور رام داس سوامی (شواجی مہاراج کے گرو) حضرت شیخ محمد غوث گوالیاریؒ کے معتقد تھے۔

حضرت شیخ محمد غوث گوالیاریؒ کے معتقدین میں بڑی تعداد میں ہندو صاحبان تھے۔ آپ بھلا کیسے یہ چاہ سکتے تھے کہ کسی مندر کو اپنا آستانہ بنایا جائے۔ آپ خلاف صوفیت اور خلاف انسانیت ایسا غلط قدم اٹھانا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ بادشاہ اکبر اپنے دادا حضور بابر کی وصیت کے مطابق قومی یکجہتی کا دلدادہ تھا۔ وہ کسی مندر کو مقبرہ بنایا جانا گوارہ کر ہی نہیں سکتا تھا۔

ایک غلط سوچ یہ ہے کہ مغلوں نے گوالیار قلعہ کی مورتیاں تڑوائیں۔ یہ بھی غلط بیانی ہے کہ اورنگ زیب بُت شکن تھا۔ ڈاکٹر بی این پانڈے کی کتاب ''ہندو مندر اور اورنگ زیب کے فرامین'' (ناشر مولانا آزاد اکادمی دہلی۔۲۵) سے واضح ہے کہ اورنگ زیب نے مندروں کو جاگیریں دیں۔ اُجین مہان کالیشور مندر کے پوجن کے لئے ماہانہ گھی دیا جانا منظور کیا۔

گوالیار قلعہ میں بادشاہ بابر کا قیام رہا۔ اس نے یہاں کے مندروں کی تعریف کی ہے۔ بادشاہ ہمایوں، جہانگیر اور شاہجہاں تینوں نے گوالیار قلعہ میں اپنے اپنے محل بنوائے۔ مغل حکمراں بُت شکن یا مندروں کے دشمن نہیں تھے۔ وہ تعصب پسند تھے ہی نہیں۔

گوالیار میں پال راجاؤں نے، پریہار اور تومر راجاؤں نے، مغل حکمرانوں نے اور مراٹھا راجاؤں نے قومی اتحاد کو تابندہ رکھا۔ یہاں سنتوں، صوفیوں نے اور علماء نے بھائی چارے کی فضا کو خوشگوار رکھا۔ یہاں کی ملی جلی زبان گوالیاری ہر دل عزیز زبان رہی ہے جو دور دراز تک کے علاقوں میں بولی جاتی رہی ہے۔

کتاب ''پنجاب میں اُردو'' از حافظ محمود شیرانی صفحہ ۱۰۹ کے مطابق ''زمانہ ءِ قدیم

میں گوالیار سے دہلی تک کے علاقوں میں جو زبان بولی جاتی تھی اس کا نام گوالیاری زبان تھا۔"

کتاب "خالق باری" کے دیباچے میں حافظ محمود شیرانی لکھتے ہیں "اکبر سے اورنگ زیب کے زمانے تک گوالیاری زبان کا بہت چلن تھا۔ یہ اس وقت کے شعر و ادب اور موسیقی کی زبان تھی۔ شاعر حضرات گوالیاری زبان کو شیریں اور خوش لسان کہتے تھے۔"

حسن نظامی کی کتاب "تاج المآثر" میں مورخ فقیر اللہ سیف کے مطابق "ہندوستان میں گوالیاری زبان سب سے اچھی مانی گئی ہے۔ یہ علاقہ ہندوستان میں ایسا ہے جیسے ایران میں شیراز۔"

ادبی شعری تذکرہ

کتاب "گوالیار اور اُردو زبان و ادب" از ڈاکٹر قمر گوالیاری صفحہ ۳۷ تا ۴۷ کے مطابق۔ تیرھویں صدی کے آغاز میں شمس الدین التمش کے فرمان کی تعمیل میں فارسی زبان کے شاعر منہاج السراج گوالیار میں مقیم رہے۔ بعد کے زمانوں میں فارسی شاعر حضرت خواجہ خانونؒ، حسام الدین حسامؔ، عبدالصمد سخن، غلام علی احسنؔ اور رفیع خاں باذلؔ جیسے باکمال و باوقار شعراء ہوئے ہیں۔ حضرت بے خودؔ دہلوی کا یہ جملہ حقیقت کا مترادف ہے "دہلی اور لکھنؤ سے پہلے شاعری گوالیار میں ہوئی" (ماہنامہ 'شمع ادب' دسمبر ۱۹۶۴ صفحہ ۱۴)

اورنگ زیب کے عہدِ حکومت میں حضرت شیخ محمد غوث گوالیاریؒ کی اولادوں کی اولادوں میں سراج الدین علی خان آرزوؔ اور نجم الدین خان آبروؔ دونوں ادبی دور کے اوّلین شاعروں میں مایہ ناز شعراء ہوئے ہیں۔ اورنگ زیب عالمگیر کے دورِ حکومت میں ۱۶۸۹ء میں خان آرزو کی پیدائش گوالیار میں ہوئی۔ خان آرزوؔ کا مادری سلسلہ ءِ نسب حضرت شیخ محمد غوث گوالیاریؒ تک پہونچتا ہے۔

خان آرزو کے والد حسام الدین حسام عالم و شاعر تھے۔ خان آرزو کے پہلے استاد اُن کے والد تھے۔ اس زمانے میں استاد شاعر عبدالصمد سخن گوالیار میں مقیم تھے۔ خان آرزو کو اُن کے تلامذہ میں شامل کیا گیا۔ حضرت سخن کے گوالیار سے چلے جانے کے بعد غلام علی احسن کی قربت خان آرزو کو حاصل رہی۔ نامور استاد شاعر رفیع خاں باذل گوالیار میں قلعدار تھے۔ حضرت باذل کے مشورہ ءِ سخن سے بھی خان آرزو فیضاب ہوئے۔

عہدِ جوانی میں خان آرزو گوالیار سے اکبر آباد (آگرہ) پہونچے جہاں ان کا تقرر ایک اعلیٰ عہدے پر ہوا مگر کچھ دنوں کے بعد وہ گوالیار آ گئے اور یہیں سوانح نگاری میں مشغول رہے۔ ۳۳ برس کی عمر میں آرزو دہلی پہونچے اور محمد شاہ کے دربار میں ایک بڑے منصب دار مقرر رہوئے۔ خان آرزو نے پہلی بار فارسی لغت کو کتابی شکل میں پیش کیا۔ اس کے علاوہ کئی تحقیقی و تنقیدی کتابیں ان کی یادگار پیش کش ہیں۔

خان آرزو کے تلامذہ خان آبرو، نورالعین واقف، مرزا مظہر جانِ جاناں، میر تقی میر (جو خان آرزو کے بھانجے تھے) آنند رام مخلص، محمد رفیع سودا، خواجہ میر درد، خواجہ محمد عاقل وغیرہ شامل رہے۔ ''نوادرِ الفاظ'' مرتبہ سید عبداللہ کراچی کے مطابق ۱۷۵۱ء میں دہلی کے آس پاس بولی جانے والی زبان کو خان آرزو نے پہلی بار اُردو نام دیا۔ ۱۷۵۶ء میں خان آرزو کا لکھنؤ میں انتقال ہوا۔ لکھنؤ سے ان کے جسد کو دہلی لا کر دفنایا گیا۔

مشہور و معروف ادیب میر حسن دہلوی نے ''تذکرۃ الشعراء اردو'' ۱۹۲۹ء صفحہ ۴۲ پر لکھا ہے ''امیر خسرو کے بعد سراج الدین علی خان آرزو جیسا جامع اور صاحبِ کمال شخص ہندوستان میں پیدا نہیں ہوا۔''

کتاب ''سراج الدین علی خان آرزو ایک مطالعہ'' مرتبہ شاہد ماہلی کے مطابق ''غالب تو اکثر ذکر بھی کیا کرتے تھے کہ خان آرزو کی ادبی کوشش بعد کے آنے والوں کے

لئے صرفِ دانش اور نقطہءِ بینش کا حکم رکھتی ہے۔''

کتاب ''آبِ حیات'' میں مولانا محمد حسین آزاد فرماتے ہیں ''خان آرزو کو اردو زبان پر وہی دعویٰ پہونچتا ہے جو کہ ارسطو کو فلسفہ اور منطق پر ہے۔ جب تک کل منطقی ارسطو کے عیال کہلائیں گے تب تک اہلِ اردو خان آرزو کے عیال کہلاتے رہیں گے۔''

خان آرزو کے ہمعصر اور رشتے میں چھ برس بڑے خالہ زاد بھائی خان آبرو گوالیار میں ۱۶۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ خان آبرو کا مادری نسبی سلسلہ حضرت شیخ محمد غوث گوالیاریؒ تک پہونچتا ہے۔ آپ کا نام گرامی نجم الدین خان، عرفیت شاہ مبارک اور تخلص آبرو تھا۔ خان آبرو کی تعلیم و تربیت گوالیار میں ہوئی۔ یہیں آپ کا شعری شعور پروان پڑھا۔

کتاب ''شاہ نجم الدین مبارک آبرو'' از خالد محمود صفحہ ۱۲ پر تحریر ہے'' خان آرزو کے بھانجے میر تقی میر نے اپنے تذکرہءِ ''نکاۃ الشعراء'' میں لکھا ہے۔ میاں نجم الدین عرف شاہ مبارک آبرو کا وطن گوالیار ہے۔ وہ حضرت محمد غوث گوالیاریؒ کے نواسے ہیں۔ میر نے اپنے تذکرے میں یہ بھی بتایا ہے کہ آبرو ایام جوانی میں گوالیار سے دہلی آ گئے تھے۔

خان آبرو کے کلام میں غزل کے علاوہ مثنویات، مستزاد، مرثیہ، مخمس، تضامین اور واسوخت کی تخلیقات شامل ہیں۔ ڈاکٹر محمد حسن کی کتاب ''دیوانِ آبرو'' کے مطابق شاہ مبارک آبرو نظم واسوخت کے موجد ہیں۔

محمد ذاکر کی کتاب ''انتخابِ کلام آبرو'' میں یہ حقیقت آشکارہ ہے کہ شاہ مبارک آبرو اردو شاعری کے بنیاد گزاروں میں ہیں۔ ان کا کلام اردو زبان و شعر کے ارتقاء کی اہم کڑی ہے۔ اٹھارھویں صدی کے اوائل میں فارسی کے مقابلے میں اردو کو سنجیدگی سے شعر گوئی کے لئے اپنانے اور اردو میں اپنا دیوان تدوین کرنے والوں میں آبرو کو اوّلیت کا امتیاز حاصل ہے۔

''ایوانِ اردو'' دہلی شمارہ مارچ ۲۰۰۹ء صفحہ ۱۰ تا ۱۴ میں سابق صدر شعبہ ءِ اردو دہلی یونیورسٹی پروفیسر عبدالحق اپنے تحقیقی مضمون ''دیوانِ آبرو'' ایک نایاب خطی نسخہ میں لکھتے ہیں ''شاہ مبارک آبرو اردو شاعری کے ابتدائی دور کے مؤقر اور معتبر شاعر ہیں۔ ساتھ ہی شعری قافلہ ءِ شوق کے بڑے محترم اور معروف راہبر بھی ہیں۔ لسانی آگہی، تخلیقی تنوع اور تہذیبی تصرّفات میں ان کا کوئی حریف نہیں ہے۔ وہ اردو کے لسانی خودمختاری کے اعلانیے کے علمبردار ہیں۔ بقول شاہ حاتم ''شعریات کی تاریخ میں آبرو کے اشعار اردو زبان کی دستور سازی میں رکنِ رکن کی حیثیت رکھتے ہیں۔''

گوالیاری زبان جو گوالیار سے دہلی تک کے علاقوں میں بولی جاتی تھی۔ خان آبرو کی شاعری اسی زبان میں ہوئی۔ ان کی شاعری خاص و عام میں پسند تھی۔ خان آبرو کی وفات دہلی میں ۱۷۳۳ء میں ہوئی۔ گوالیار کے خان آبرو اور خان آرزو تاریخ ساز شخصیت رہے ہیں۔ ان دونوں کے قبل اور بعد میں بھی گوالیار میں شاعری ہوئی ہے۔ یہ بات الگ ہے کہ وہ شعراء گمنامی میں جی گئے۔ ان کی نسل نے نہ تو ان کے کلام کی اشاعت کی اور نہ ہی حفاظت کی۔ خان آبرو کی وفات کے ۸۲ برس کے بعد۔

حضرت غمگینؒ دہلوی ۱۸۱۵ء میں گوالیار آئے۔ یہ آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا زمانہ تھا۔ ہندوستان میں انگریزوں کی بے جا جبریہ دخل اندازی تھی۔ دہلی کے حالات سکوں پرور نہیں تھے۔ ولی صفت حضرت غمگینؒ کو دہلی کا مستقبل سازگار دکھائی نہیں دیا تو وہ مع اہل خانہ دہلی سے گوالیار کے شمالی علاقہ موضع کلتھ میں آگئے۔

حضرت غمگینؒ کا شجرہ ءِ مبارک

شجرہ بجانب پدری

حضرت سید محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز

سید سیف الدین عبدالوہابؒ

سید ابوالفتح محمد سلیمانؒ

سید ابویحیٰ عبدالرحمٰن داؤدؒ

سید شاہ جمال لدینؒ

سید شاہ زین العابدینؒ

سید محی الدین عبدالرزاقؒ

سید تاج الدین ابوالفضلؒ

سید شاہ شرف الدین ابوالوفاؒ

سید شاہ نورالدین محمود ابویحییٰؒ

سید عبدالکریم ابوالوفاؒ

سید محمد الیاس شہیدؒ

سید الہدیٰ خواجہ احمدؒ

سید محی الدینؒ

سید شاہ شیر محمد قادریؒ

سید شاہ پیر محمدؒ

شاہ سید احمد دہلویؒ

شاہ نظام الدین احمدؒ اور شاہ میر سید محمدؒ شاہ

سید علی غمگینؒ

شجرہ بجانب مادری

حضرت خواجہ محمد باقی باللہؒ

خواجہ عبداللہ خواجہ خوردؒ

خواجہ شاہ بہاؤالدینؒ

خواجہ الٰہیؒ

بیگم امت الباقی (منسوب بہ سید احمد دہلوی)

حضرت شاہ نظام الدینؒ احمد اور حضرت شاہ سید محمدؒ

میر سید علی غمگینؒ

سوانحی معلومات

میر سید علی غمگینؒ، نسبتاً حسنی الحسینی اور مشرباً قادری۔ المخاطب بہ حضرت جی۔ حضرت غمگینؒ کے مورثِ اعلیٰ سید الہدیٰ خواجہ احمدؒ اورنگ زیب عالمگیر کے عہدِ حکومت میں بغداد سے ہندوستان آئے۔

کتاب ''سیرۃ الصالحین'' از مرزا ابراہیم بیگ چغتائی ناشر آگرہ اخبار پریس آگرہ، ۱۹۲۹ء صفحہ ۸ کے مطابق بغداد سے سید الہدیٰ خواجہ احمدؒ مع اہل وعیال ہندوستان کے شہر برہانپور میں آکر مقیم ہوئے۔ موصوف کے دو پوتے سید محی الدین اور سید عبدالرزاق شاہی ملازمت کے سبب برہانپور سے دہلی منتقل ہو گئے۔

سید محی الدین کے فرزند کے پوتے سید احمد کا نکاح امتہ الباقی سے ہوا۔ دہلی میں سلسلۂ نقش بندیہ کے مشہور بزرگ خواجہ باقی باللہؒ کے چھوٹے فرزند محمد عبداللہ (خواجہ خورد) کی پوتی تھیں امتہ الباقی۔ جن کے بڑے بیٹے شاہ نظام الدین اور چھوٹے بیٹے سید محمد تھے۔ سید محمد حضرت غمگینؒ کے والد ماجد تھے۔ شاہ عالم ثانی بادشاہ کے دربار میں شاہ نظام الدین وزیر تھے اور سید محمد نائب وزیر تھے۔

جب مراٹھا مہاراج مہادجی سندھیا دہلی کے شاہ عالم ثانی پر غلام قادر روہیلہ کے مظالم ختم کرنے کے لیے آگے بڑھے تب مہاراجہ مہادجی سندھیا کی دہلی میں غلام قادر روہیلہ کے ساتھ معرکہ آرائی میں بہادری سے ساتھ دینے والے شاہ نظام الدین تھے وہ شاہ عالم ثانی کے وزیر ہی رہے اور سید محمد نائب وزیر رہے۔ حضرت غمگینؒ کی ولادت ۱۷۵۳ء میں شاہ جہاں آباد دہلی میں ہوئی۔

حضرت غمگینؒ ابتدا میں جب عربی فارسی زبان کی تعلیم حاصل کر رہے تھے تب آپ کے والد محترم کی وفات ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۲ سال کی تھی۔ شاہ سید نظام الدین احمدؒ کی سرپرستی میں حضرت غمگینؒ آسودہ حال رہے۔ اس لئے حضرت غمگینؒ آزاد خیال رہے۔ آپ کی طبیعت اسپ سواری اور سیر و شکار کی طرف مائل رہی۔ دہلی میں شعر و شاعری کے چرچے عام تھے تو عیش و عشرت کی زندگی کے اس دور میں حضرت غمگینؒ بھی شاعری کرنے لگے۔ استاد شاعر سعادت یار خاں صاحب رنگینؔ کے حلقہ ءِ تلامذہ میں آپ شامل ہو گئے اور غمگین تخلص اختیار کیا۔ حضرت رنگینؔ کے شاگردوں میں ذہانت کے اعتبار سے آپ کا نام سرِ فہرست تھا۔

حضرت غمگینؒ کی دادی امتہ الباقی صاحبہ نے اپنے انتقال سے قبل آپ کو تلقین فرمائی ''تجھے چاہیئے کہ تو تحصیل علم عرفانیت حاصل کرے اور راہِ حق میں فقر اختیار کرے'' دادی مرحومہ کی نصیحت حضرت غمگینؒ کے لئے اہمیت کی حامل ہوئی۔ اور آپ نے دل سے چاہا کہ خدا کے کسی دوست تک رسائی ہو اور راہِ حق کی تعلیم حاصل کی جائے۔ آپ کی زندگی میں یہی ایک موڑ تھا جہاں سے آپ کی مجازی زندگی کا راستہ راہِ حق سے مل گیا۔

حضرت فتح علی گرویزیؒ جو خاندان سادات سے تعلق رکھتے تھے جو پیر و مرشد اور ہادی ءِ طریقت کے علاوہ باکمال شاعر بھی تھے۔ ان کی خدمت میں حضرت غمگینؒ پہونچے

اور حضرت فتح علی گرویزیؒ کے مرید ہوئے۔ پھر آپ نے کسب درویشی میں سالہا سال محنتِ شاقہ کی اور روحانی عروج حاصل کرلیا۔ پھر انگریزوں کی بے جا مداخلت اور جبریہ اقتدار سے متنفر ہوکر آپ ۱۸۱۵ء میں گوالیار آگئے۔ یہیں آپ کی آئندہ زندگی کی داغ بیل پڑی اور آپ کے خاندان کے لئے ایک مستقل شہر معیّن ہوا۔

حضرت غمگینؒ موضع کلیتھ (گوالیار) میں قیام کے دوران صبح عبودیت، وظائف سے فارغ ہوکر گھوڑے پر سوار ہوکر گھنٹے دو گھنٹے ہوا خوری کے لئے نکل جاتے تھے ایک صبح گوالیار ریاست کے مہاراجہ دولت راؤ سندھیا جو خود گھوڑے پر سوار تھے۔ حضرت غمگینؒ کی شہ سواری دیکھ کر وہ بے حد متاثر ہوئے۔ تب حکیم وارث علی خاں صاحب طبیب خاص مہاراجہ دولت راؤ سندھیا جی کے ہم رکاب تھے۔

سندھیا راج محل میں حکیم وارث علی خاں صاحب نے دولت راؤ سندھیا جی مہاراج کو بتایا کہ میر سید علی غمگینؒ کے متعلق جو مجھے معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ حضرت غمگینؒ گھوڑوں کی نسل وحرکت سے بخوبی واقف ہیں وہ شہ سواری کے علاوہ بڑے درویش کامل بھی ہیں۔ عالم، فاضل ہیں، شاعر بھی ہیں۔ اور شاہ نظام الدین احمد کے خاص بھتیجے ہیں۔ یہ سن کر مہاراجہ دولت راؤ سندھیا کو یاد آیا کہ جب مہاراجہ مہادجی سندھیا نے دہلی میں غلام قادر روہیلہ کے ساتھ معرکہ آرائی کی تھی تب شاہ عالم ثانی کے وزیر نظام الدین شاہ جی نے وفا اور بہادری سے مہاراجہ مہادجی سندھیا کا ساتھ دیا تھا۔ فتح یابی کے بعد مہاراجہ مہادجی سندھیا نے نظام الدین شاہ جی کو شاہ عالم ثانی کا وزیر برقرار رکھا تھا۔

چند دنوں بعد مہاراجہ دولت راؤ جی سندھیا نے حضرت غمگینؒ کو علاقہ گوہد کے گوالیار دربار میں مدعو کیا۔ احترام کے ساتھ استقبال کے بعد دست راست پر بٹھایا اور خطاب، حضرت جی، کے ساتھ سرداری عاشیہ نسلاً بعد نسلاً دینا چاہا مگر حضرت غمگینؒ نے

درویشیت سے کنارہ کشی نہیں چاہی تو مہاراجہ دولت راؤ جی سندھیا نے آپ کے فرزند اکبر حافظ عبدالرزّاق عرف میرن علی کے نام سے سرداری غاشیہ، جاگیرداری اور وظیفہ سرکاری کاغذات میں داخل فرما کر عقیدتِ درویشی کا ثبوت دیا۔ تفصیل ''قواعد جاگیرداران بھاگ ایک'' میں درج ہے۔

شہر گوالیار کے مقام لشکر کے مور بازار میں جو کبھی حلواٹ خانہ مشہور تھا اب وہاں جگدمبا کامپلیکس ہے اس جگہ سندھیا راج گھرانے کی ایک شاندار حویلی تھی جو حضرت غمگینؒ کے گھرانے کی رہائش کے لئے دی گئی۔ اس حویلی کے سامنے حضرت غمگینؒ نے ایک مسجد تعمیر کرائی وہ مسجد حضرت جی کے نام سے آج بھی مشہور ہے۔ اس مسجد حضرت جی سے دانا اولی بازار شروع ہوتا ہے۔

کچھ عرصے بعد حضرت غمگینؒ کو یہ مقام ورد و عبادت کے لئے پُرسکون محسوس نہیں ہوا۔ تو آپ کو سکوں بخش مقام کی تلاش ہوئی۔ اولڈ سٹی گوالیار کے افغانی محلّے میں رہنے والے گھوڑوں کے تاجر خان افغانی نے اپنے گھر بڑی حویلی میں حضرت غمگینؒ کی دعوت کا انصرام کیا۔

افغانی محلّہ گوالیار قلعہ کے مشرقی سمت تلہٹی سے لگا ہوا تھا۔ حضرت غمگینؒ نے وہاں سپاٹ سطح کے پہاڑی حصّے کو اور قلعہ میں ایک گپھا کو بھی دیکھا۔ انہوں نے پہاڑی سطح کو برائے وعظ و حلقہ کے لئے مناسب جانا اور گپھا کو یادِ الٰہی کے لئے پسند فرمایا۔ حضرت غمگینؒ نے سرکاری اجازت لیکر وہاں رہائش کے لئے گھر بنوایا۔ حضرت غمگینؒ کے آجانے سے یہاں وعظ و تذکرے اور حلقے ہونے لگے۔ پھر یہ علاقہ نور گنج کے نام سے مشہور ہوا۔

حضرت غمگینؒ کی تصانیف

کلماتِ قدسیہ (پانچ جلدیں، عربی زبان میں) جس میں تصوّف کے اعلیٰ نکات

تحریر فرمائے گئے ہیں۔

۲۔ وظیفہ شریف :۔شجرات، خلافت نامے، عملیات اوراد، وظائف، وصیت نامے، جسمانی امراض کے مجرب آزمودہ نسخہ ءِ جات، فارسی زبان میں یہ کتاب ۷۰۴ صفحات کی ضخیم تصنیف ہے جو ایک گراں قدر عطیہ ہے۔

۳۔ کشف انوار (بہ زبان فارسی) جس میں تجلیات الٰہی کا بیان۔

۴۔ اسرار الصلوٰۃ (بہ زبان فارسی) نمازوں کے اسرار بہ اندازِ تصوّف۔

۵۔ شش کلمہ (بہ زبان فارسی) حقیقت الایمان، مومن کے ایمان کی شناخت بہ اندازِ تصوّف

۶۔ سر المصحف (بہ زبان فارسی) جس میں قرآن عظیم کے سرّ مکنون درج ہیں۔

۷۔ المسح القلوب (بہ زبان فارسی) امراضِ قلب کے علاج، صفائی کے طریقے بہ انداز تصوّف۔

۸۔ شرح ہائے قرآنی (فارسی) جس میں قرآن کی شرح بہ انداز تصوّف

۹۔ آیۃُ آمن الرسول (بہ زبان فارسی) ترجمہ وشرح بہ اندازِ تصوّف۔

۱۰۔ مخزن الاسرار (بہ زبان اردو) ۷۹۹ غزلیات (دیوان)

۱۱۔ مکاشفات الاسرار (بہ زبان اردو) ۱۸۰۰ رباعیات (دیوان)

۱۲۔ مراۃُ الحقیقت (بہ زبان فارسی) شرح رباعیات

۱۳۔ رقعات (بہ زبان فارسی) بہ اندازِ تصوّف شعر وسخن۔ (برائے مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ)

حضرت غمگینؒ کی تصانیف کا ترجمہ اردو زبان میں ہوتا تو سونے پر سہاگا ہوتا۔ آج کے زمانے میں عربی فارسی زبان کے مترجم کا پایا جانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

حضرت غمگینؒ کی چوتھی پیڑھی تک سجادہ نشین اس حیثیت میں تھیں کہ حضرت غمگینؒ کی کارآمد کتب کو اردو میں شائع کیا جا سکتا تھا۔ اگر کراچی پاکستان میں مقیم محترم نسیم حضرت جی اشاعت کی طرف متوجہ نہ ہوتے اور اپنی ذاتی پونجی نہ لگاتے تو حضرت غمگینؒ کے تعلق سے پانچ کتابیں منظرِ عام پر آنہیں پاتیں۔ محترم نسیم حضرت جی کا جذبۂ ایثار قابلِ قدر ہے کہ انہوں نے کتابوں پر قیمت درج نہیں کی ہے۔ انہوں نے یہ کتابیں پاکستان کے علاوہ بیرونی ممالک میں بھی پہونچائی ہیں۔ ہر کتاب کی کئی کئی جلدیں انہوں نے سید اعجاز محمد حضرت جی کے پتے پر گوالیار ارسال فرمائیں۔ مرحوم سید اعجاز محمد حضرت جی نے ان کتب کو ہندوستانی علماء ادباء اور کالجوں میں، لائبریریوں میں بذریعہ ڈاک اکسویں صدی کے آغاز میں پہونچائی ہیں۔

حضرت غمگینؒ کا دیوان غزلیات ۱۸۳۷ء ، مجموعہ رباعیات ۔۱۸۳۹ء اور دیگر اہمیت کی حامل تصنیفات کاش وقت پر منظرِ عام پر آگئی ہوتیں تو بہت پہلے ہی ادبی دنیا حضرت غمگینؒ سے واقف ہوگئی ہوتی اور انہیں وہ عالی مقام حاصل ہوتا جس کے وہ مستحق تھے۔

زمانہ ءِ قدیم میں حضرت غمگینؒ کے تذکرہ نگاروں میں ڈاکٹر اختر نظمی کے مطابق خوب چند ذکاء (کتاب عیار الشعراء ۱۸۳۱ء) مولوی کریم الدین (کتاب طبقات الشعراءِ ہند ۱۸۴۸ء) مولوی عبدالغفور نساخ (کتاب سخن الشعراء ۱۸۷۴ء) فرنگی مصنف Garsain petadi (کتاب فہرست ہندوستانی شعراء ۱۸۴۸ء) سکندر ابن فیضی محمد خاں حنفی (کتاب گنجینہ ءِ رضوی ۱۳۱۱ھ) سید شاہ عطا حسین رزاقی منعمی عظیم آبادی، بہار (کتاب العارض نسبت العارفین ۱۳۵۰ھ) ان تذکرہ نگاروں نے حضرت غمگینؒ کی شاعرانہ عظمت اور اہمیت کا ذکر کیا ہے۔ یہ تذکرے اردو شاعری کی تاریخ کی بنیادی قدروں کو متعین کرنے میں سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

بیسویں صدی عیسوی کے ادیب ونقاد کی نظر میں حضرت غمگینؒ

(۱) ''مطالعہ حضرت غمگینؒ''، مضمون نگار سید احتشام حسین لکھتے ہیں ''اٹھارھویں صدی تصوّف اور شاعری کے اس ارتباط کی حسین ترین شکلیں پیش کرتی ہے جس کے اثرات انیسویں صدی تک نظر آتے ہیں۔ میر سید علی غمگینؒ اس دور کے اور اسی رنگ کے شاعر ہیں لیکن اتفاقِ زمانہ نے ان کے شاعرانہ کمالات اور علم وفن پر پردہ ڈال رکھا ہے''

(۲) ''حضرت غمگینؒ اور ان کا کلام'' مرتبہ پرفیسر عبدالشکور، ادارہ فروغ اردو صفحہ ۱۵۱ سنہ ۱۹۶۴ء'' حضرت غمگینؒ نے اردو شاعری کو فن پختگی بھی دی ہے اپنے پاکیزہ جذبات سے مالا مال بھی کیا ہے اور اپنا روحانی تصوّف بھی عطا فرمایا ہے۔ آپ کی پاکیزہ غزلیات اور آپ کی حقانی رباعیات ہمارے ملک کے ثقافتی ورثے کے لئے بڑے مبارک ومسعود اجزاء ہیں جن کی آب وتاب عرصہ دراز تک قائم رہے گی اور طالبانِ ادب کو گرماتی رہے گی۔''

(۳) تعارّف تاریخ اردو صفحہ ۱۰۹ ادارہ فروغِ اردو لکھنؤ ۱۹۶۲ء مرتب ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی رقم طراز ہیں: ''حضرت غمگینؒ کا کلام تصوّف کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ زبان میں سادگی اور پاکیزگی ہے۔ بیان میں شگفتگی اور دل کشی ہے۔ شوخی اور رنگینی بھی پائی جاتی ہے۔''

(۴) ماہنامہ ''آجکل'' دہلی اپریل ۱۹۵۶ء میں اپنے مضمون میں محمد یونس خالدی لکھتے ہیں: ''آج کی دنیا کا غیر معروف شاعر یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ ہی غیر معروف رہے اور کل کی دنیا اُسے نہ جانے پہچانے۔ حضرت غمگینؒ کل اپنے زمانے کے بہترین زبان داں تھے۔ ان کا زمانہ میر تقی میرؔ، مرزا رفیع احمد سوداؔ اور خواجہ میر دردؔ کا زمانہ تھا۔ مرزا غالبؔ جو تمام عمر کسی کو خاطر میں نہ لائے وہ بھی حضرت غمگینؒ کے بڑے مدّاح نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ ان کے مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے۔'' (مکتوب آگے صفحہ ۶۴ پر نمایاں ہے)

(۵) ''رباعیات غمگینؒ'' ماہنامہ ''برہان'' دہلی جون ۱۹۶۰ء میں پروفیسر مولانا محمد مسعود احمد کے مضمون کا اقتباس یہاں پیش ہے'' حضرت غمگینؒ اردو رباعی گو شعراء میں امتیازی مقام رکھتے ہیں اور یہ امتیاز کوئی معمولی امتیاز نہیں۔ کیونکہ مطالعہ میں آیا ہے کہ رباعی کے تنگ میدان اور پابندیوں کو دیکھ کر بیشتر نے ہمتیں ہار دی ہیں اس لئے اردو شاعری میں بہت کم رباعی گو شعراء کا پتہ چلتا ہے مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت غمگینؒ اردو رباعی گو شعراء کے سرتاج ہیں۔ جنہوں نے اس صنف کو اپنا مسلکِ شعری بنایا۔ بلاشبہ رباعی کے میدان میں حضرت غمگینؒ ہی شہ سوار نظر آتے ہیں''۔

محمد یونس خالدی کے تحقیقی مضمون ''حضرت غمگینؒ اور ان کا غیر مطبوعہ کلام'' ماہنامہ آجکل دہلی شمارہ اپریل ۱۹۵۶ء) کے مطابق۔

قطب شاہ چند رُباعیاں، ملا وجہی تین رباعیاں، عبدالقادر حیدر آبادی تین، سراج اورنگ آبادی نو، ولی دکنی چھ، خواجہ میر درد بائیس، میر تقی میر ایک سو پندرہ، سودا اسی، میر حسن دو، انشاء چالیس، جرأت چار، نظیر اکبر آبادی بائیس، انیس، پانچ سو پچاس، دبیر دو سو، ذوق سولہ، غالب پندرہ، مومن ایک سو چالیس، میر مجروح بائیس، آگے کے دور میں حالی، اکبر، اسماعیل میرٹھی۔ کے علاوہ امجد حیدآبادی، سیماب اکبر آبادی، جوش ملیح آبادی، رواں، فراق،، یگانہ وغیرہ نے بھی رباعی کو صنف کی طرح برتا ورنہ اس سے قبل کے تمام ادوار نہیں کے برابر ہیں۔ البتہ ایک ہستی ہم کو ایسی نظر آتی ہے جس نے ایسی نازک اور مشکل صنف کو موضوع کی طرح اپنایا اور جس کی ذات کو ہر دور میں امتیازی درجہ حاصل رہا وہ ہستی حضرت غمگینؒ کی ہے۔

حضرت غمگینؒ کی رباعیات کا جائزہ

اردو شاعری کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اردو شاعری کے ابتدائی

دور سے بیسویں صدی کے آخر تک کسی نے حضرت غمگینؒ کی طرح کثیر تعداد میں رباعیات نہیں کہی ہیں۔ دیوان رباعیات مخزن الاسرار میں ۹۳ اور دیوان رباعیات مکاشفات الاسرار میں اٹھارہ سو رباعیات کا بیش بہا سرمایہ چھوڑا ہے۔

رباعیات کی وجہ تصنیف

حضرت غمگینؒ نے متصوفانہ مسائل اور شریعت طریقت کے رموز کے اظہار کے لئے صنف رباعی کو انتخاب فرمایا۔ کیونکہ کسی بھی موضوع کو جامع اور پراثر انداز میں بیان کرنے کی جو صلاحیت صنف رباعی میں ہے اردو کی کسی اور صنف میں نہیں۔ تصوف کے کسی ایک مسئلے کی مختصر اور مکمل تشریح کے لئے رباعی ہی سب سے زیادہ موزوں اور کارآمد صنف سخن ہے۔

صنفِ نظم میں رُباعی ایک خاص اہمیت کی حامل ہے اور اختصار کے ساتھ جامعیت کی جو صفت اس میں نظر آتی ہے وہ دیگر اصناف میں مفقود ہے۔ چار مصرعوں میں ایک پوری بات کہہ دینا اور بات بھی ایسی جو بسا اوقات اخلاقی حکمت کے کسی موضوع سے متعلق ہو، آسان نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ رباعی کہنے کا شوق ہر زمانے میں اکثر و بیشتر شعراء کو رہا ہے لیکن اس میں تحصیل کمال کا امتیاز صرف چند خوش قسمت سخنوروں کو ہی نصیب ہو سکا۔

ان خوش قسمت سخنوروں میں جن کو اس فن میں 'تحصیل کمال امتیاز' نصیب ہوا ہے حضرت غمگین کا نام سر فہرست ہے۔ حضرت غمگینؒ کی رباعی گوئی اور رباعیات کے موضوعات اور خصوصیات کا جائزہ لینے سے پہلے رباعی گوئی کی تاریخ کا اختصار کے ساتھ ذکر کرنا ضروری ہے کیونکہ اس کی روشنی میں ہی حضرت غمگینؒ کی رباعی گوئی اور رباعی گو شعراء میں ان کی اہمیت اور انفرادیت واضح کی جا سکتی ہے۔

رباعی کا مختصر تاریخی جائزہ

اردو شاعری کی تاریخ کا مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رباعی اردو شاعری کی مقبول ترین صنف نہیں ہے اور نہ ہی اردو شعراء نے اس صنف کی طرف خاص توجہ کی ہے۔ شعراء تفنن طبع کے لئے بعض اوقات شاعری کی تمام اصناف سخن پر اپنی قدرت اور مشاقی کی نمائش کے لئے رباعیات بھی کہہ لیتے تھے لیکن اُن کی کلیات میں دیگر اصناف سخن کے مقابلے میں رباعیات کی تعداد بہت ہی کم ہوتی تھی۔ محمد قلی قطب شاہ اور ملا وجہی سے پہلے جن شعراء کا کلام دستاب ہوا ہے ان میں رباعیات شامل نہیں ہے، لہٰذا محمد قلی قطب شاہ کی رباعیات ہی کو اردو رباعی کے سفر کا سنگ میل تصور کرنا پڑے گا۔ محمد قلی قطب شاہ کے دیوان میں ۹۳ رباعیات شامل ہیں۔ ملا وجہی، غواصی، لغزتی کے یہاں چند رباعیاں اور ولی کی ۲۶ رباعیاں پائی گئی ہیں۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی صوفیائے کرام کے رباعی گوئی کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ کتاب ''اردو رباعیات'' صفحہ ۹۳ پر لکھتے ہیں۔

''جب رباعی نے آہستہ آہستہ مقبولیت حاصل کی تو صوفیائے کرام نے اپنی توجہ اس کی جانب منعطف کی۔ ان بزرگانِ دین کے پاس اتنا کافی وقت نہ تھا کہ وہ مثنوی یا قصیدے جیسی طویل اصناف سخن پر طبع آزمائی کرتے۔ اس لئے رباعی انہوں نے اپنے خیالات کے اظہار کا کارآمد آلہ تصور کیا اور تصوف و معرفت، عشق و محبت، عمل و اخلاق، فقر فنا، توبہ و مغفرت وغیرہ کا پیغام عوام تک پہنچایا۔''

'مکاشفات الاسرار' دیوان رباعیات کا آغاز و اختتام

حضرت غمگینؒ کی رباعیات کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

ھوالعلی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اک عمر رہی مری اللہ کی جنگ
دیتا میں شکست رہا سو سو فرسنگ

غمگینؔ مغلوب اب ہوا ہوں ایسا
نے فوج رہی نہ میں نہ وہ نام نہ ننگ

اور اختتام اس رباعی پر ہوتا ہے۔

غمگینؔ ہیں رباعیات تری جو چند
عارف کرے کس طرح نہ ہر اک پسند

ذرّہ میں کیا ہے مہر کو پوشیدہ
دریا کو کیا ہے تو نے کوزہ میں بند

دیباچہ مکاشفات الاسرار

حضرت غمگینؒ کے دیوان رباعیات مکاشفات الاسرار کا دیباچہ کے مطالعہ کے تعلق سے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس طویل بسیط دیباچہ میں حضرت غمگینؒ نے اپنے حسب ونسب کے متعلق تفصیل سے تحریر کیا ہے ان کے حالاتِ زندگی۔ تعلیم تربیت۔ بیعت اور پیرِ طریقت کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ انہوں نے تصوف کے جن مراحل کو طے کیا ہے اور شریعت وطریقت کے متعلق جو اُن کے نظریات تھے انہیں اختصار سے بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی شاعری خصوصاً رباعی اور رباعیات کے موضوعات اور مقاصد کی طرف واضح اشارات ملتے ہیں۔

دیوان غزلیات مخزان الاسرار ۱۸۳۷ء کی ترتیب کے بعد جب روحانی واردات و کیفیات کا غلبہ ہوا تو دیوان رباعیات بطور رسالہ تصوف تصنیف کیا گیا۔ مکاشفات

الاسرار ۱۸۳۹ء میں ترتیب دیا گیا ہے۔یعنی دو سال کی قلیل مدت میں حضرت غمگینؒ نے اٹھارہ سو رباعیات کا مجموعہ ترتیب دے لیا۔

مکاشفات الاسرار کی ترتیب

رباعیات کا یہ مجموعہ تین حصوں میں منقسم ہے۔

پہلا حصہ: اس حصہ میں ۱۰۴۵ رباعیاں ہیں۔ یہ حصہ عنوانات اور موضوعات کے اعتبار سے اردو شاعری کے باب میں ایک عظیم اضافہ ہے۔اس حصہ میں بسم اللہ کی جامع شرح ہے اور توحید حقیقت، توحید وحدت الوجود، حقیقت انسانی، بطون، ظہور، حقیقت محمدی، چہل مراتب، ایمان عملی، ایمان عینی، ایمان، خاص و عام ہژدہ گناہ کبیرہ، اختلاف شرائع معجزات، کرامت، طبقات صوفیہ' عارف معرفت، توبہ صاحب مجاہدہ' توبہ صاحب مشاہدہ تسلیم و رضا، وفا، شرم، حیا، اخلاص، مروت، احسان، استقامت، قناعت، حسد صدق و کذب جیسے لاتعداد موضوعات کے علاوہ سلاسل اربعہ کی تعلیمات اور اوراد و اشغال جیسے نازک پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

دوسرا حصہ: یہ حصہ چھ سو رباعیات پر مشتمل ہے۔اس حصے کی ترتیب ردیف وار ہے یہ حصہ خاص طور پر مرزا غالبؔ کے لئے لکھا گیا ہے۔دیوان رباعیات کے آغاز میں جو دیباچہ ہے اس میں مرزا غالبؔ کے ساتھ برادرزادگان، صاحبزادگان اور مریدان کا بھی ذکر ہے لیکن اس حصہ کو خاص طور پر مرزا غالبؔ کے نام معنون کیا گیا ہے۔غزلیات کے ردیف وار دیوان تو عام بات ہے لیکن رباعیات کا ردیف وار دیوان کے اوّل تخلیق کار حضرت غمگینؒ ہی ہیں۔

تیسرا حصہ: اس حصہ میں ۱۵۵ رباعیات ہیں۔متفرق موضوعات کے علاوہ ایک بڑا حصہ

شخصیات کے لئے وقف ہے۔ اس میں حضرت ابو بکر صدیق ؓ، حضرت شاہ عبدالقادر جیلانیؒ، شاہ بوعلی قلندرؒ، شاہ رکن الدین مشق

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے حضرت غمگینؒ نے اٹھارہ سو ترانوے رباعیاں کہی ہیں جو کتنے ہی اہم موضوعات پر پھیلی ہوئی ہیں اور ان میں سے بیشتر موضوعات ایسے ہیں جن میں حضرت غمگینؒ سے پہلے کسی شاعر نے نظم نہیں کئے ہیں۔

حضرت غمگینؒ کی رباعیات

حضرت غمگینؒ کی رباعیات میں ان کی متصوفانہ زندگی کا ہر پہلو نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔ اپنی رباعیات کے موضوعات اور ان کی تصنیف کے مقاصد کی وضاحت انہوں نے دیباچہ رباعیات اور ان مکاتیب (جو انہوں نے مرزا غالبؔ کو تحریر کئے ہیں) میں بڑی تفصیل سے کی ہے۔ حضرت غمگینؒ کی رباعیات بظاہر سادہ ہیں لیکن معنی کے اعتبار سے نہایت دقیق ہیں۔ ان کو دیکھنے اور پڑھنے کے لئے بصارت سے زیادہ بصیرت درکار ہے۔ ذیل میں حضرت غمگینؒ کی رباعی پیش کی جاتی ہے جس میں ایک لفظ بھی مشکل نہیں ہے لیکن ان سادہ الفاظ کے مفہوم تک رسائی کسی عارف کامل کی رہبری کے بغیر دشوار معلوم ہوتی ہے۔

دے تجھے کس طرح وہ دکھائی
جو تیرے چشم کی ہو بینائی

کس طرح عقل میں آئے تری
ہو تری جو عقل و دانائی

اس رباعی کا مفہوم یہ ہے کہ آنکھ کی بینائی تجھے کیونکر نظر آ سکتی ہے۔ یعنی قوتِ بینائی کی وجہ سے ہم دیکھ تو سکتے ہیں لیکن خود قوتِ بینائی دکھائی دینے والی چیز نہیں ہے اسی

طرح عقل و دانائی بھی ہے۔

حضرت غمگینؒ کی رباعیات بے شمار مضامین کا احاطہ کرتی ہیں۔ متعدد رباعیات کے عنوانات حضرت غمگینؒ نے خود قائم کئے ہیں۔ عنوانات فارسی میں ہیں اور دیوان میں انہیں سرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے۔ ردیف وار اور متفرق رباعیات کے عنوانات درج نہیں ہیں۔ ذیل میں حضرت غمگینؒ کی رباعیات مختلف موضوعات اور عنوانات کے تحت نمونتاً پیش کی جاتی ہیں۔

مذہبی رباعیات

در شرح بسم اللہ گوید

بسم اللہ میں سب کچھ ہے جو قرآن میں ہے — قرآن میں وہ ہے کہ جو انسان میں ہے
ان سب میں ہے جو وہ نقطہ باء میں ہے — غمگینؔ عارف کے بس وہی جان میں ہے

در شرح بسم اللہ گوید

بسم اللہ میں باء کی دیکھ تو جمعیت — پھر نقطہ باء سمجھ مقام وحدت
ہے باء سے مراد و احدیت غمگینؔ — محذوف الف کو جان لے احدیت

در شرح بسم اللہ گوید

بسم اللہ میں ہے الہ بس اسم ذات — جامع ان کا ہے، اسم میں ہیں جو صفات
اس واسطے اسم کا الف ہے محذوف — یہ اس کے بجائے تو سمجھ میری بات

در شرح رحمٰن و رحیم (در بسم اللہ) گوید

بسم اللہ میں جو ہے پہلے رحمٰن کا نام — شامل تو سمجھ لے اس میں سب خاص و عام

مخصوصوں کے واسطے ہے از بس کہ رحیم　　غمگیںؔ اس اسم پر کیا اس سے تمام

در حمد الٰہی گوید

غمگیںؔ سہ طرح سے ہے حمد عالی　　قولی ہے فعلی ہے اور ہے بس حالی
یعنی ہے زبانی جسمی روحی اے یار　　منظور بیاں ہے مجھے اجمالی

در نعت نبی علیہ السلام گوید

ہوتی خیرہ ہے تجھ پہ نبیوں کی نگاہ　　لائق تری نعت کے نہیں غمگیںؔ آہ
اس واسطے رات دن یہ رکھا ہے اور　　صلوٰۃ اللہ یا رسول اللہ

در بیان ایمان عام و خاص

غمگیںؔ ایمان ہے صرف عشق جاناں　　اور اس کے مشاہدوں میں رہنا حیراں
ایمان نہیں سوائے اس کے کچھ ورد　　گر ہے تو وہ صرف ہے زبانی ایماں

در بیان حقیقت ایمان کامل

مشکل ہے لانا حد خدا پر ایماں　　میں رکن بتاؤں جس میں سب ہوں ارکاں
وہ یہ ہے خودی نہ ہوئے اپنی غمگیںؔ　　بن اس کے نہ ہوگی تری مشکل آساں

در بیاں آنکہ نماز با نیاز باید کرد

ہر چند کہ ہر عمل سے اولیٰ ہے نماز　　رکھتی ہے خلق کو گناہوں سے باز
پر یاد رہے کہ قرب حق کے ہرگز　　غمگیںؔ نہیں کوئی راہ بہتر زنیاز

در حقیقت صوم گوید کو فرض دویم است

کہتا ہوں میں سرِّ باطنیءِ رمضاں　　جو ہر کہ ہیں باطنی کرے کون بیاں

غمگیںؔ اس واسطے ہوا روزہ فرض　　تا جوع کی قدر جانے منعم سلطاں

در بیان حج ظاہری وتمہید حج باطنی کہ فرض سوم است

حج فرض ہے ظاہری یہ سب پر ہے عیاں　　اکثر سے باطنی مگر ہے پنہاں
غمگیںؔ ظاہر کے ہیں مناسک مشہور　　باطن کے کئے ہیں اس لئے میں نے بیاں

در طریقہ حج باطنی گوید

مجمل میں بتاؤں تم کو حج کے درجات　　غمگیںؔ ہے حضور دل قیام عرفات
اور طوف حرم ہے ذوق وشوق تنزیہ　　قربانی سے ہے غرض فنائے حرکات

در بین زکوٰۃ باطنی وایں موقوف وامیر الٰہی ست

گنجینہ علم تجھ کو گر دیوے خدا　　واجب ہے کرے زکوٰۃ اس کی تو ادا
دل اور زبان سے جس سے ہوائے غمگیںؔ　　لائق ہے کرے خدا کی خلقت کو عطا

ہژدہ گناہ کبیرہ

ہژدہ ہیں گناہ کبیرہ سن مجھ سے بیاں　　توفیق بشرط یہ کہ دیوے رحمٰن
پرہیز ہمیشہ اس سے رکھ غمگیںؔ　　ایمان میں تیرے نہ آوے نقصان

محاورہ بندی

سادگی اور بے ساختگی، سلاست اور روانی حضرت غمگیںؔ کے شاعرانہ اندازِ بیان کے نمایاں اوصاف ہیں۔ انہیں دقیق سے دقیق مسئلہ کو آسان زبان میں بیان کرنے میں کمال حاصل ہے۔ رباعی جیسی محدود اور پابند صنفِ سخن میں ''محاورہ بندی'' کے فن کا مظاہرہ کرنا حضرت غمگیںؔ کی قادرالکلامی اور مشاقی کا ثبوت ہے۔ انہوں نے دہلی کے

مخصوص محاورے مثلاً جھونپڑی میں رہ کر محلوں کے خواب دیکھنا۔ جھوٹی ڈکار لینا۔ برا بھلا کہنا۔ کاہے کی ربیع اور کاہے کی خریف۔ کڑوے بادام کھانا وغیرہ کو نہایت حسن خوبی سے رباعیات میں باندھا ہے چند رباعیات ملاحظہ ہوں۔

پختہ ہے وہ عشق میں تیرے خام نہیں　　غمگیںؔ کو خیال ننگ و نام نہیں
جو چاہے برا بھلا اسے کہہ لے وے　　پر اس کو برے بھلے سے کچھ کام نہیں

دل یہی کہے ہے اسے دیکھا کیجے　　لیکن نہ رہے جو ہوش تو کیا کیجے
دیکھے بنتی ہے اور نہ دیکھے غمگیںؔ　　حیراں ہیں اسی میں ہم بتا کیا کیجے

ذیل کی رباعی میں دو گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل، کس خوبی سے نظم فرمایا ہے

دنیا اور دیں کا ہے جو کچھ حاصل　　آتا ہے زباں پہ غمگیںؔ، جز دل
آساں پوچھیں ہیں یارو مجھ سے سخن　　گویم مشکل ، وگرنہ گویم مشکل

اسی محاورے کو لفظ بہ لفظ مرزا غالبؔ نے بھی اپنی ایک مشہور رباعی میں باندھا ہے

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل　　سن سن کے اسے سخنورانِ کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش　　گویم مشکل ، وگرنہ گویم مشکل

مرزا غالبؔ کے یہاں بعض مضامین حضرت غمگینؒ کے مضامین سے ملتے جلتے ہیں۔ اس مصرع کی کیفیت بھی وہی ہے۔ دونوں رباعیات کے موضوعات مختلف ہیں لیکن حضرت غمگینؒ اور مرزا غالبؔ کی رباعیات کے تیسرے اور چوتھے مصرعوں کا مفہوم اور لب و لہجہ ایک سا ہے۔

کچھ کتب کے اقتباسات:

اردو رباعیات حضرت غمگینؒ ڈاکٹر سلام سندیلوی۔ نسیم بکڈپو لاکوش روڈ لکھنؤ

۱۹۶۲ء صفحہ ۲۸۰

''حضرت غمگینؒ دہلوی بھی حسرت دہلوی کی طرح اب تک قعر گمنامی میں پڑے رہے۔ اور وہ جس مرتبہ کے مستحق تھے وہ مرتبہ ان کو نہ مل سکا۔ اگر چہ کچھ قدیم تذکروں میں ان کا ذکر ملتا ہے مگر جس طرح دردؔ۔ سوداؔ اور میرؔ وغیرہ نے اپنے دور میں شہرت و مقبولیت حاصل کی اور تقریباً ہر تذکرہ نگار نے ان شعراء کا ذکر کیا ہے اس طرح غمگینؒ دہلوی کا ذکر تمام تذکروں میں نہیں ملتا۔''

تعارف تاریخ اردو (جدید ایڈیشن) مرتبہ ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی۔ صفحہ ۱۰۹، ادارہ فروغ اردو لکھنؤ ۱۹۶۲ء

''غمگینؔ کا کلام تصوف کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ زبان میں سادگی اور پاکیزگی ہے۔ بیان میں شگفتگی اور دل کشی ہے۔ شوخی اور رنگینی بھی پائی جاتی ہے۔ میرؔ اور مومنؔ دونوں کا رنگ تغزل پایا جاتا ہے''

رباعیات غمگین از پروفیسر مولانا محمد مسعود احمد ماہنامہ برہان دہلی جون ۱۹۶۰ء''

حضرت غمگینؒ اردو رباعی گو شعراء میں امتیازی مقام رکھتے ہیں اور یہ امتیاز کوئی معمولی امتیاز نہیں کیونکہ مطالعہ میں آیا ہے کہ رباعی کے تنگ میدان اور پابندیوں کو دیکھ کر بیشتر نے ہمتیں ہار دی ہیں۔ اسی لئے اردو شاعری میں بہت کم شعراء کا پتا چلتا ہے۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت غمگینؒ اردو رباعی گو شعراء کے سرتاج ہیں جنہوں نے اس صنف کو اپنا مسلک شعری بنایا۔ بلا شبہ رباعی کے میدان میں حضرت غمگینؒ ہی شہ سوار نظر آتے ہیں اور آپ کی مثال اردو ادب میں نہیں ملتی۔''

ان مضامین کے علاوہ متعدد مضامین ۶۰ کی دہائی میں حضرت غمگینؒ کی شاعری اور فن پر مختلف عنوانات سے شائع کئے گئے ہیں۔ یہ بات حوصلہ افزا ہے۔

حضرت غمگینؒ دانش وروں کی نظر میں

حضرت غمگینؒ کے متعلق چند قدیم تذکرہ نگاروں اور جدید تنقید نگاروں کی آرائیں پیش کی جا چکی ہیں۔ جناب رضا محمد حضرت جی نے جو غمگین اکاڈمی کے بانی اور نگراں تھے۔ ان تمام خطوط کو جو حضرت غمگینؒ کے علم و فضل اور ان کی شاعرانہ فضیلت کے متعلق انہیں دستیاب ہوتے رہے۔ ایک فائل میں نہایت احتیاط سے محفوظ کر لئے تھے۔ اس کے علاوہ غمگین اکاڈمی میں ایک رجسٹر رکھا ہوا ہے جس میں حضرت غمگینؒ کے کتب خانہ، ذخیرہ نوادرات اور ملفوظات و مخطوطات کے متعلق غمگین اکاڈمی کا مشاہدہ کرنے والے اہل علم و دانش حضرات کے تاثرات درج ہیں۔ جناب رضا محمد صاحب کا یہ کام ایک بڑا کارنامہ ہے خطوط کی فائل اور رجسٹر سے اس بات کا علم ہو جاتا ہے کہ اب تک کن کن دانشوروں کو حضرت غمگینؒ کی عالمانہ اور شاعرانہ شخصیت نے متاثر کیا ہے اور حضرت غمگینؒ کا کتب خانہ اور نوادرات کن کن حضرات کی نظر سے گزر چکے ہیں اور ان کے متعلق ان حضرات کے کیا تاثرات ہیں۔ غمگین اکاڈمی کے متذکرہ بالا کاغذات کے بغور مطالعہ سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ جس کسی نے بھی حضرت غمگینؒ کا کتب خانہ دیکھا ہے وہ اس شخصی کتب خانہ کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ ذیل میں اہل علم و دانش کے تاثرات درج ہیں۔

(۱) حضرت پیر ضامن میاں صاحب نظامی، سجادہ نشین درگاہ حضرت نظام الدین اولیا صاحب۔ دہلی

''حضرت جی صاحب کے کتب خانے میں ملفوظات، تاریخ، تصوف، فقہ نیز حدیث اور قرآن پاک کے قدیم نایاب نسخہ دیکھنے میں آئے۔ حضرت غمگینؒ کا کلام تو تصوف

کی جان ہے اور بڑا روح پرور ہے''۔

(۲) علامہ قاضی معراج مرحوم شہر قاضی (دھولپور راجستھان ۔ دیوان خانہ دھولپور ۷ افروری ۱۹۵۵ء)

''حضرت صاحب کی اعلیٰ شخصیت ابھی دنیا کے سامنے نہیں آئی ہے۔ مولانا حالی نے بھی اپنی تصنیف 'یادگار غالب' میں شاہ غمگینؒ کا کوئی ذکر نہیں کیا حالانکہ حضرت غمگینؒ کے مرزا غالب سے بہت گہرے ہی نہیں بلکہ بعض وجوہ کی بناء پر مرشدانہ و معلمانہ تعلقات بھی تھے جیسا کہ مجموعہ خطوط سے ظاہر ہوتا ہے صرف ایک خط اس سلسلہ کا کلیات، نثر غالب میں موجود ہے۔ اور اسی سے دیگر خطوط کی تصدیق ہوتی ہے۔ حضرت کی درویشانہ، صوفیانہ، شاعرانہ اور دنیوی وجاہت واعزاز سرداری وغیرہ کے پہلو ابھی اجاگر کرنے کے لائق ہیں۔

(۳) جناب مولانا سید موسوم علی صاحب۔ مالک وایڈیٹر کاشانہ صابری۔ ۲۸ رجب ۱۳۷۴ھ (۱۹۵۵ء) ''موجودہ پر آشوب زمانے میں بھی ادبی، علمی ذوق حضرت جی صاحب کے گراں قدر کتب خانہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ جس میں بڑے بڑے نادر الوجود تبرکات، ملفوظات، کتب سیر وتفاسیر کے طرح طرح کے نمونے موجود ہیں اور حضرت غمگینؒ کے کلام بلاغت نظام کی کیا تعریف لکھی جائے۔ خدا کرے کہ جلد شائع ہو جائے جو سب کو فائدہ اٹھانے کا موقع میسر آئے۔''

(۴) جناب محمد علی شاہ صاحب میکش اکبر آبادی۔ ۲۲ راپریل ۱۹۵۵ء میر گڑھ۔ آگرہ

''حضرت شاہ غمگینؒ کا تذکرہ بحیثیت ایک درویش وصوفی اور ادیب ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ایسی کوئی طاقت نہیں جو حضرت صاحب کی ادیبانہ شخصیت وصوفیانہ فضل وکمال کی جہت کو علیحدہ کر سکے۔ حضرت کی تصانیف، حضرت کا کلام، حضرت کے خطوط سب حضرت کے مرتبے کے شاہد ہیں۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ اس خدمت کو بجالانے کی مجھے بھی سعادت

بخشے۔::

(۵) جناب بال کمند صاحب عرش ملسیانی سابق ایڈیٹر آج کل دہلی ۵ جون ۱۹۵۵ء۔ ''حضرت شاہ غمگینؒ کے کلام کے نادر نمونے باعثِ مسرّت ہوئے۔ اور حضرت صاحب کے غیر مطبوعہ خطوط جن کا مرزا غالبؔ سے تعلق ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ ان کی تعریف کیا لکھوں وہ مجھے بھیج دیئے جائیں تو میں شائع کر دوں گا۔''

افسوس، برائے اشاعت ماہنامہ آج کل میں مکتوب نہیں بھیجے جا سکے۔

(۶) جناب سید حسن برنی۔ ایڈوکیٹ۔ حسن لائبریری بلند شہر۔ ۲۲ جون ۱۹۵۵ء

''حضرت غمگینؒ کا کلام سرتاپا تصوف میں ڈوبا ہوا ہے۔ ہر مصرع روح افزا ہے خدا کرے کہ یہ اردو کا بیش بہا سرمایہ اور مرزا غالبؔ کے رقعات جلد طبع ہو جائیں تا کہ سب کو روحانی لذّت حاصل کرنے کا موقع ملے اور اہل نظر کے لئے بصیرت افروز ہو۔ ماشاء اللہ بڑی خوبی سے اس قیمتی ذخیرہ کو آج تک محفوظ رکھا گیا ہے۔''

(۷) جناب پروفیسر سید امیر حسن نورانی صاحب (شعبہ عربی و فارسی) امیر الدولہ کالج لکھنؤ ۲۸ جون ۱۹۵۵ء۔

''حضرت غمگینؒ کے کلام کا بغور مطالعہ کیا۔ رقعات بھی پڑھے۔ دونوں قابلِ قدر ہیں۔ ان کی اشاعت علمی و ادبی دنیا کی ایک بڑی بیش بہا خدمت ہوگی۔''

(۸) جناب پروفیسر مغیث احمد فریدی۔ سینٹ جانس کالج آگرہ۔ ۲۵ جولائی ۱۹۵۵ء۔

''ابھی حضرت غمگینؒ دہلوی کا اردو دنیا میں ایسا مکمل تعارف نہیں ہوا ہے جس کی بدولت اردو والے حضرت کے صحیح مقام سے آشنا ہو سکیں۔ حضرت کے کلام پر سیر حاصل تبصرے و تفصیلی کام کی انتہائی ضرورت ہے۔''

(۹) جناب سید مختار احمد صاحب قادری۔ کٹرہ مداری خاں۔ آگرہ، (۲۹ جون ۱۹۵۶ء)

''فیض انتساب حضرت شاہ غمگینؒ نے اردو ادب پر جو احسان فرمایا ہے اس کا ابھی کم حضرات کو علم ہے۔ آپ کا دیوان رباعیات تو ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ اس کی بڑی اہمیت یہ بھی ہے کہ اردو کے بے مثال و لا جواب شاعر مرزا غالبؔ کے لئے بطور رسالہ تصوّف لکھا گیا ہے۔''

(۱۰) جناب خواجہ عبدالحکیم خاں جج ہائی کورٹ ۔ گوالیار ، مال روڈ مرار (گوالیار) ۳۰ راگست ۱۹۵۶ء۔

''حضرت غمگینؒ عطیہ الرحمتہ کے کلام سے متعارف ہوا۔ جو صاحبان اس سلسلے میں ریسرچ کر رہے ہیں وہ قابلِ ستائش ہیں۔ خاص طور سے اس زمانے میں جب کہ بے علمی بے مذاقی اور جمود کی گھٹائیں فضائے ادب پر چھائی ہوئی ہیں۔''

(۱۱) جناب مولانا غلام محی الدین شاہ صاحب ناظر نظامیؒ ۔ سجادہ نشین خواجہ خانونؒ گوالیار۔

حضرت غمگینؒ کی پابند اوقات زندگی ۔ روزمرہ کا طرز معاشرت ۔ امور شرعیہ کی پابندی ، کسب طریقت کے مشاغل و مجاہدات کی مصروفیت ۔ انقا کی فکر ۔ طالبان صدق و صفائی ، رہبری حاجت مندوں کی کفِ دستگیری جیسی کثیر الاشغالی کے باوجود حمایت محفل ظل اللہ اور افادہ خلق اللہ کے لئے ملفوظات کا بے نظیر ذخیرہ اور نکات تصوف پر نادر الوجود تالیفات اور تصنیفات نیز منظوم کلام کے باترتیب دواوین یادگار چھوڑنا بجائے خود ایک زندہ جاوید کرامت ہے۔ علاوہ ازیں بہت بڑا ادبی اور تصوف و شریعت کی کتب کا ذخیرہ فقیر منزل میں افادہ بخش ہے۔''

(۱۲) ڈاکٹر مولانا محمد سعید احمد صاحب شاہی مسجد فتح پوری ۔ دہلی ، ۲۱ جون

۱۹۵۶ء

''آج کل جس تیزی کے ساتھ عجیب وغریب انکشافات ظہور میں آرہے ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔اس دور ترقی میں بھلا یہ کیونکر ممکن تھا کہ ادبی دنیا ان روز افزوں ترقیات سے محروم رہتی۔چناں چہ حال میں فقیر منزل گوالیار سے بھی ایک ایسے ہی ادبی ذخیرے کا انکشاف ہوا ہے جس سے اپنی تابانی ودرخشانی سے اساتذہ کو بہرہ ور فرمایا۔اور جسے معماران اردو وادب کے ہی زمانہ سے اپنے ہمعصروں میں خاص امتیاز حاصل رہا۔''

(۱۳) عالی جناب سید عنایت حسین دیوان صاحب۔سجادہ نشین درگاہ ہندالولی حضرت خواجہ خواجگان غریب نواز اجمیر شریف۔یکم جمادی الاول ۱۳۷۴ھ (۱۹۵۴)

''حضرت غمگینؒ کے بلند پرنور مزار مبارک پر ضعیف نے جو دل کا مریض ہے خدا کی مہربانی سے حاضری دی اور روحانی کیف میسّر آیا۔خاص طور سے خاندانی قدیم کتب خانے کے نوادرات نیز تبرکات دیکھ کر دل بہت محظوظ ہوا۔خداوند کریم ان سب کو ہر بلا و آفت سے محفوظ رکھے۔آمین''

(۱۴) جناب پروفیسر وشوناتھ کول ایڈوکیٹ لشکر گوالیار،۶ ستمبر ۱۹۵۶ء)

''حضرت جی غمگینؒ کی اعلیٰ شخصیت مسلمہ ہے اور دولت راؤ مہاراجہ سندھیا والیءِ ملک ریاست گوالیار کی عقیدت ثابت ہے۔شاہ غمگینؒ کے ادبی کارناموں کے متعلق مرزا غالبؔ جیسا استاد فن نے جو کچھ اپنے رقعات میں ارقام فرمایا ہے اس سے ظاہر وروشن ہے کہ مرزا کے دل میں حضرت غمگینؒ کی کیا عظمت تھی اور ان کے کلام بلاغت نظام کے متعلق یہ لکھنا کہ جو نکات میں نے آپ کے دیوان میں دیکھے ہیں یہ مثنوی مولانا روم ودیگر تصوف کی کتب میں بخدا میری نظر سے نہیں گزرے۔نیز غالبؔ جیسا خوددار شخص جو تمام عمر کسی کو خاطر میں نہ لائے انہوں نے حضرت غمگینؒ کے علم وفضل اور تصوف سے متاثر ہو کر خط غلامی

لکھا ہے۔ یہ حضرت کے روحانی فضل کمال وادب کی انتہائی سند ہے۔"

(۱۵) جناب الحاج حافظ مولانا مفتی عبدالستار خاں صاحب طبیب نقشبندی، مجدی جامع مسجد گوالیار ۵ دسمبر ۱۹۵۶ء)

"حضرت شاہ غمگینؒ کے دواوین نیز حضرت کی دیگر تصانیف کے مطالعہ سے راقم الحروف کو احساس واندازہ ہوا کہ طالبان الٰہی وتشنگانِ تجلی ربانی کے لئے اس سے بہتر اس زمانے میں کوئی راہ نما نہیں ملے گا۔ اس لئے ضرورت ہے کہ حضرت صاحب کی تصانیف اور دواوین کے مطالعہ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے۔"

(۱۵) حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب: آڈیٹر اے جی آفس۔ گوالیار ۱۰ مارچ ۱۹۵۷ء۔

"حضرت شاہ غمگینؒ ناخدائے سخن کے قدیم کتب خانے میں عجیب وغریب ملفوظات کے ذخیرہ کی دید کا شرف میسر آیا نیز دیگر تبرکات کی زیارت سے روحانی لذت حاصل ہوئی۔ حضرت صاحب موصوف کے دواوین ودیگر رسالوں کی کیا تعریف کروں۔ حقیقت میں ہر چیز اپنی مثال آپ ہے۔"

(۱۷) قاضی حکیم خواجہ عبدالرب صاحب طالب جیوری محلّہ خورجہ ولان۔ گوالیار ۲۰ مئی ۱۹۵۷ء)

"حضرت شاہ غمگینؒ کے شہہ پاروں کی نسبت میں کیا لکھ سکتا ہوں جن کو مرزا غالبؔ جیسے مسلمہ استاد زمانہ اپنا استاد وپیر ومرشد تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے جیسا کہ ان کے رقعات سے ہویدا ہے۔ حقیقتاً حضرت صاحب کا کلام بلاغت نظام عشق حقیقی ومجازی کے جلووں کا نادر مجموعہ ہے۔ حضرت صاحب کی تصانیف ودواوین، خطوط کو بارہا مطالعہ کرنے کا موقع بسلسلہ ترجمہ خطوط مجھے میسر آیا۔ دراصل حضرت صاحب کے کلام وتصانیف میں مجھے

وہ نکات دیکھنے کو ملے جو قبل ازیں میرے مطالعہ میں کہیں نہیں آئے تھے۔ حضرت صاحب کے رقعات دواوین، تصانیف، شریعت وطریقت کے زبردست علمبردار ہیں۔ حضرت صاحب کا علم اعلیٰ وافضل تھا اسی وجہ سے مرزا غالبؔ جیسے باکمال سخنور وسخن سنج کو مجبوراً حضرت صاحب کے کمالات کے آگے جھکنا پڑا۔"

(۱۸) جناب احتشام علی صاحب ایم ایس سی ڈپٹی ڈائرکٹر محکمہ تعلیم اتر پردیش اولیور روڈ۔ لکھنؤ۔ ۲۵ جون ۱۹۵۷ء)

"حضرت غمگینؒ علیہ الرحمۃ کی روحانی کشش مجھ کو ان کی بلند درگاہ واقع دامن کوہ گوالیار پر کشاں کشاں لے گئی۔ حضرت ممدوح کے قدیم خاندانی کتب خانہ کی سیر سے بے حد مسرور ہوا نیز حضرت کی قلمی تصانیف سے آنکھیں منور ہوئیں۔ شاہ غمگینؒ کے پاکیزہ۔ معرفت وحقیقت سے لبریز کلام نے دل کو روحانی فرحت بخشی۔ سبحان اللہ کیا لوگ تھے اور کیا زمانہ تھا۔ کتب خانہ کے نوادرات میں حضرت خواجہ خواجگان باقی باللہ خان فی للہ قدس سرہ العزیز کی قلمی مثنوی اور آپ کے صاحبزادگان حضرت خواجہ عبید اللہ وحضرت خواجہ عبداللہ مشہور بہ خواجہ کلاں وخواجہ خورد رحمت اللہ علیہم کے قلمی ملفوظات اور تصانیف بھی دیکھنے کا شرف میسر آیا۔ ان نادرالوجود تصانیف کی کیا توصیف بیان کرسکتا ہوں۔ ۱۹۴۸ء کے بعد جبکہ میں نے درالعلوم دیوبند کے کتب خانہ کی سیر کی تھی یہ دوسرا موقع تھا کہ مجھے ایسے نادر الوجود کتب خانہ کی سیر کا موقع میسر آیا۔"

(۱۹) جناب علامہ پروفیسر حافظ مرزا اصغر علی صاحب:۔

"فارسی کی تحریر کا طرز ادا بالکل ایرانی انداز کا ہے۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ مرزا غالبؔ جیسے فارسی داں حضرت غمگینؒ کی فارسی دانی نیز بلند کلام کی وجہ سے حضرت صاحب کے بڑے عقیدت مند تھے۔ جیسا کہ رقعات سے ظاہر اور روشن ہے۔"

(۲۰) ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی صاحب، ریڈر فیکلٹی آف آرٹس دہلی یونیورسٹی

(۲۵/اکتوبر ۱۹۵۹ء)

''گوالیار کے مختصر سے قیام میں جو کچھ شاہ غمگین اکاڈمی میں نظر سے گزرا وہ میرے لئے باعث روحانی مسرت ہوا۔ حضرت صاحب کی تصانیف کے مطالعہ سے جوں جوں قرب حاصل ہوتا جاتا ہے میری عقیدت اور بڑھتی جاتی ہے۔ مرزا غالبؔ کے مکتوب علیہم میں حضرت غمگینؒ کا نام نامی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ مرزا غالبؔ نے حضرت صاحب کی رباعیات کے متعلق لکھا ہے کہ آپ نے ذرّے میں آفتاب اور کوزے میں دریا بند کرلیا ہے اور آپ کے دیوان رباعیات میں وہ مطالب پوشیدہ ہیں جو مثنوی مولانا روم میں بھی نہیں دیکھے۔ حضرت غمگینؒ کے دیوان رباعیات کے دیباچہ سے ان کی ادبی زندگی پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ بعمر ۲۹ سال بیعت ہو جانے کے بعد حضرت صاحب موصوف نے اپنا پہلا دیوان جو ۱۲۱۵ھ (۱۸۰۰ء) میں ترتیب دیا تھا وہ خود ہی قلم زد فرما دیا لیکن اس کی مخصوص غزلیں دیوان مخزن الاسرار ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ء) میں شامل کر لی گئی ہیں۔ حضرت صاحب موصوف کا کلام بڑا پاکیزہ ہونے کے علاوہ تصوف کی جان ہے۔''

(۲۱) جناب ڈاکٹر حکیم سید حسین صاحب دہلوی صدر نظامیہ طبی میڈکل بورڈ نئی دہلی، لال محل بستی حضرت نظام الدین اولیاء (۲۵ جنوری ۱۹۶۲ء)

''حضرت شاہ غمگین رحمۃ اللہ علیہ کے کتب خانے میں نادر ونایاب کتب رباعیات وغزلیات کے قلمی نسخے جو تصوف کی جان کہے جانے کے مستحق ہیں۔ روحانیت و طریقت کی وہ سبق آموز کتابیں بصیرت افروز ہوئیں کہ دل شاد ہو گیا۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی متلاشی حق ان کتابوں کا صحیح طریقے پر مطالعہ کرے تو یقیناً وہ طریقت کے تمام منازل بغیر کسی مرشد کے طے کرلے گا۔ کتب خانے کے قلمی نسخے خطاطی کے اعتبار سے ہی پرکھنے کے لئے

مخصوص علم اور قابلیت کی ضرورت ہے۔ بڑی خوشی اور مسرت کی بات ہے کہ پشت در پشت سے یہ نادر و نایاب کتب خانہ حضرت کے جانشین کے زیر تحفظ چلا آ رہا ہے۔

(۲۲) جناب خواجہ حسن نظامی، مدیر ماہنامہ منادی۔ نئی دہلی (درگاہ خواجہ نظام الدین اولیاء نئی دہلی ۱۲ (۱۵ دسمبر ۱۹۶۳ء)

"گوالیار کے ایک بزرگ کے پاس حاضری ہوئی جن کا خاندان حضرت جی کے نام سے مشہور ہے۔ اس خاندان نے تصوف کے ساتھ علم و ادب کی بھی بڑی خدمات انجام دی ہیں اور مہاراجہ گوالیار سے لے کر مرزا غالبؔ تک بہت سے مشاہیر ان کے عقیدت کیش رہے ہیں۔ موجودہ مہاراجہ بھی حضرت جی صاحب کا بڑا ادب کرتے ہیں۔ حضرت جی صاحب کے کتب خانہ میں بڑی نایاب کتابیں ہیں اور رضا محمد حضرت جی صاحب کو تو کتابوں کے علاوہ دوسرے نوادرات جمع کرنے کا بڑا شوق ہے۔ ان کا گھر اچھا خاصہ میوزیم ہے۔ کتابوں اور بزرگوں کے تبرکات کے ساتھ نوادرات کی سیر بھی کی۔"

کاش یہ نایاب اثاثہ خدا بخش لائبریری پٹنہ (بہار) کو سونپ دیا جاتا تو آج جوں کا توں محفوظ پایا جاتا۔ اردو اسکالرز اور اردو داں حضرات ان نوادرات سے مستفیض ہوتے رہتے اور ان کے تعلق سے کئی معلوماتی مضامین منظرِ عام پر آتے رہتے۔ افسوس حضرت غمگینؒ کے وارثان سے یہ اہم قدم اٹھایا نہیں جا سکا۔ اگر حضرت غمگینؒ کے باحیثیت جانشین اس جانب توجہ فرماتے تو آج سے بہت پہلے حضرت غمگینؒ کی شاعرانہ شخصیت منظر عام پر آ سکتی تھی۔

۱۹۲۶ء میں سرجادو ناتھ سرکار حضرت غنی محمد صاحب حضرت جی کی تحریک پر حضرت شاہ نظام الدینؒ (عم محترم حضرت غمگینؒ) اور ان کے خاندان کے حالات لکھنے پر آمادہ تھے۔ اگر حضرت شاہ نظام الدین کا تذکرہ شائع ہو جاتا تو حضرت غمگینؒ کی شخصیت بھی روپوش نہ رہتی۔

سر جادو ناتھ سرکار نے تذکرہ کے اخراجات کا تخمینہ ۸۴۵ روپے لکھ بھیجا تھا۔ جناب غنی محمد شاہ حضرت جی کے لیے یہ رقم کوئی حیثیت نہ رکھتی تھی مگر یہ تذکرہ نہ لکھوایا گیا۔ اس کے بعد ماسٹر ابراہیم بیگ چغتائی نے ''سیرت الصالحین'' کے عنوان سے ۱۹۲۶ء میں خاندان حضرت جی کے اوصاف تحریر کیے ہیں۔ اس کتاب کی پشت پر ایک اشتہار شائع کیا گیا جس میں حضرت غمگینؒ کی تمام فارسی و اردو تصانیف کے نام درج ہیں۔ ان کے نیچے یہ نوٹ درج ہے۔

یہ تمام تصنیفات و تالیفات بزبان عربی و فارسی و اردو ہنوز غیر مطبوعہ ہیں۔ اگر کوئی خریدار بہم پہنچیں تو یہ مع ترجمہ شائع ہو سکیں۔ جو صاحب اس وقت درخواست خریداری بھیجیں گے تو اشاعت کتب پر قیمت میں خاص رعایت ملحوظ رکھی جائیگی۔ درخواست گوالیار، نور گنج، فقیر منزل، سکریٹری بزم ہاشمی کے نام آنا چاہیے۔ اس اشتہار کی اشاعت باحیثیت وارثانِ حضرت غمگینؒ کے لیے مناسب نہ تھی۔ خریدار بہم نہیں پہنچے اور نتیجہ کے طور پر حضرت غمگینؒ کی تمام تصانیف غیر مطبوعہ رہیں۔

مندرجہ بالا حقائق کا اظہار تلخ ضرور ہے لیکن تلخیوں کے خوف سے حقائق کا اظہار نہ کرنا بھی انصاف کی منافی ہے۔

مولانا محمد حسین آزاد مرحوم نے آبِ حیات میں تحریر فرمایا ہے:

> ''کیا یہ تھوڑے افسوس کا موقع ہے کہ ہمارے بزرگ خوبیاں بہم پہنچائیں، انہیں بقائے دوام کے سامان ہاتھ نہ آئیں اور اس پر نام کی زندگی سے بھی محروم رہیں۔ بزرگ بھی وہ بزرگ جن کی کوششوں سے ہماری ملکی و کتابی زبان کا لفظ، لفظ اور حرف حرف گرانبار احساں ہے۔ ان کے کارناموں کا اس گمنامی کے ساتھ صفحۂ ہستی سے مٹنا بڑے حیف کی بات ہے۔ جس مرنے پر ان کے

اہل وعیال روئے وہ مرنا نہ تھا۔ مرنا حقیقت میں ان باتوں کا مٹنا
ہے جن سے ان کے کمالات مرجائیں گے اور یہ مرنا حقیقت
میں غمناک حادثہ ہے۔"

مولانا محمد حسین آزاد نے ایک بڑی غم ناک حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

حضرت غمگینؒ ہی کیا ابھی جانے کتنے گوہر نایاب تہ خاک پوشیدہ ہونگے جو اگر رونما ہو جائیں تو ان کی چمک دمک سے ادبی دنیا کی نگاہیں خیرہ ہو جائیں۔ بقول غالب:

سب کہاں کچھ لالہ گُل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو اپنی زندگی میں اپنے ادبی کارناموں کو نمایاں کرنے کے لیے سازگار ماحول مل گیا اور زمانے کی قدردانی نے انہیں بقائے دوام عطا کردی۔

حضرت غمگینؒ کی طرح خواجہ میر درد، سودا یا میر و غالب کا کلام بھی آج دریافت ہوتا تو اس کا بھی وہی حال ہوتا جو حضرت غمگینؒ کے کلام کا ہوا۔

حضرت غمگینؒ کی متصوفانہ وسعت نظر اور اظہار خیال کی قدرت کے ثبوت میں ان کی رباعیات موجود ہیں۔ حضرت غمگینؒ کی رباعیات میں جو مختلف موضوعات اور عنوانات کے تحت تخلیق کی گئی ہیں، شریعت، طریقت اور حقیقت کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جسے نمایاں نہ کیا گیا ہو۔

"اردو رباعیات" میں ڈاکٹر سلام سندیلوی حضرت غمگینؒ کی رباعیات کے متعلق لکھتے ہیں۔

"حضرت غمگینؒ کی رباعیات اردو ادب میں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ یہی نہیں کہ

حضرت غمگینؒ نے تعداد میں بہت زیادہ رباعیاں کہی ہیں بلکہ فنی نظر سے بھی یہ رباعیات بہت قابل قدر ہیں۔ ان کی رباعیات میں فارسی کے مشہور رباعی گو شعراء کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ ابوسعید ابوالخیر، عمر خیام، مولانا روم، حافظ شیرازی اور سرمد وغیرہ کا رنگ ان کی رباعیات میں جھلکتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کی رباعیات میں شیرینی۔ مستی اور ساتھ ہی بہت پختگی ملتی ہے۔"

حضرت غمگینؒ کی رباعیات میں جتنے موضوعات اور مضامین ملتے ہیں وہ اردو کے کسی رباعی گو شاعر کے یہاں نہیں ملتے۔ حضرت غمگینؒ کی رباعیات کی ایک اور خصوصیت جو اردو رباعی کے شاعروں کے یہاں آج تک دیکھنے میں نہیں آئی یہ ہے کہ ان کی رباعیات کو اگر موضوع کی مناسبت اور ترتیب کے اعتبار سے مرتب کیا جائے تو ان میں ایک طویل مسلسل اور مربوط نظم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ وہ وصف ہے جس میں حضرت غمگینؒ کو اولیت اور انفرادیت کا درجہ حاصل ہے۔ اگر حضرت غمگینؒ رباعیات کے اخفا کی سختی سے ہدایت نہ فرماتے تو آج اردو شاعری کی تاریخ میں رباعی گو کی حیثیت سے انہیں وہی مقام اور مرتبہ حاصل ہوتا جو سوداؔ کو قصیدہ، میرؔ کو غزل، میر حسنؔ کو مثنوی اور میر انیسؔ کو مرثیہ میں حاصل ہے۔

کسے خبر تھی کہ اردو ادب و شاعری میں ایک ایسی بھی ہستی پوشیدہ طور پر موجود ہے۔ جس کے کلام کو اہلِ فن اور چوٹی کے شعراء خراج تحسین ادا کر چکے ہیں۔ کلیات نثر غالبؔ میں مطبوعہ مکتوب میں شعر ہے جو حضرت غمگینؒ سے غالبؔ کے اظہارِ جذبہءِ عقیدت کا نادر نمونہ ہے۔

در دل ز تمنائے قدم بوس تو شوریست
شوقت چہ نمک دادہ مذاق ادبم را

مصرع اولیٰ میں انتہائی عقیدت کا اظہار کیا گیا ہے کہ میرے دل میں آپ کی قدم بوسی کی تمنا کا ایک طوفان بپا ہے۔ مصرع ثانی میں اعتراف نمایاں ہے کہ آپ کے فیض و کرم نے مرے کلام کو مزے دار بنا دیا ہے۔ یعنی جس طرح بغیر نمک کے کھانا رہتا ہے اسی طرح میرا کلام اب تک پھیکا تھا لیکن آپ کی تعلیم و ہدایت نے میرے کلام کو نمکین بنا دیا ہے۔

اپنے مجموعہ رباعیات مکاشفات الاسرار میں جس کا دیباچہ مرزا غالبؔ کے نام ہے۔ یہ رباعیاں ۱۸۳۷ء میں ترتیب دی گئیں۔ شاہ غمگینؒ اخفائے شاعری کے لیے مرزا غالبؔ کو تاکید فرماتے رہے۔ مرزا غالبؔ نے اس تاکید پر عمل بھی کیا۔ ایک بار مرزا غالبؔ نے استفسار کیا بھی تو حضرت غمگینؒ نے ثبت فرمایا:

''زمانہ خواہد آمد کی راز ایں رباعیات ہم افشا خواہد شد حالا ہمیں طور بدار بد۔''

ترجمہ: ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ ان رباعیات کا راز خود بہ خود منکشف ہو کر رہے گا۔ ابھی تو اسی طرح پوشیدہ رکھا جائے۔

مرزا غالبؔ نے اس تلقین مبارکہ پر سختی سے عمل کیا اور آپ کی شاعری کا کہیں کوئی ذکر نہیں کیا۔ شاہ غمگینؒ حضرت جی کی پیشین گوئی کے سوسوا سو سال بعد اس شکل میں پورا ہونا تھا کہ مرزا غالبؔ کو جو مجموعہ بھیجا گیا تھا وہی ۱۹۵۰ء کے زمانے میں جامع مسجد کی سیڑھیوں پر قدیم فرسودہ نسخوں میں کتب فروش سے محمد یونس خالدی کو دستیاب ہوا۔ (رسالہ ادیب جولائی ۱۹۶۰ء، صفحہ: ۱۵)

محمد یونس خالدی فقیہ العصر مبصر دوراں (ناظم ابوالکلام اکادمی لکھنؤ) کا پہلا مقالہ بعنوان ''حضرت غمگینؒ دہلوی''، ماہنامہ ''نیا دور'' لکھنؤ، جولائی ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا جس سے

حضرت غمگینؒ دہلوی کا سرسری تعارف ادبی حلقوں میں ظہور میں آیا۔ جناب خالدی کا دوسرا مقالہ بعنوان ''حضرت غمگین'' ماہنامہ آج کل دہلی اپریل ۱۹۵۶ء میں مع تصویر طبع ہوا۔ جسے نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ اس کے بعد ''الجمعیۃ'' دہلی، ''نظامی'' دہلی وغیرہ میں مختلف عنوانات سے اس سلسلے کے مقالات شائع ہوتے رہے اور ملک کے دوسرے ادبی حلقوں میں ان کا کلام کافی مقبول ہوا۔ یونس خالدی کے جذبۂ ادب اور انسانی فرض کی ادائیگی قابل قدر ہے۔

اسی زمانے میں ڈاکٹر شفا گوالیاری کے مضامین ''جمہوریت'' کراچی (اگست ۱۹۵۶ء) ''شعلہ و شبنم'' دہلی (اکتوبر ۱۹۵۷ء) اور ''مشرق'' کراچی (نومبر ۱۹۵۷ء) شائع ہوئے اور ایک صوفی صفت شاعر حضرت غمگینؒ کے کلام سے اہل شعر و ادب کو متعارف کیا گیا۔ یونس خالدی کے مطابق جہاں تک غزل کا سوال ہے تو اس صنف کو میرؔ نے روح تغزل عطا فرمائی۔ غالبؔ نے اسے زبان کی معراج بخشی۔ مومنؔ نے مجاز کی راہوں سے مشاہد حق کی عکاس بنا کر تجربات انسانی کے لیے بے شمار ذخیرے غزل میں داخل کر دیئے۔ لیکن حضرت غمگینؒ نے درد کی معیت میں تصوف کی پاکیزگی اور حقیقت و معرفت کی بے پناہ گہرائی اور اسرار الٰہی سے مالا مال کیا۔ ان کی غزل گوئی کا آغاز اس وقت ہو چکا تھا جب کہ دنیائے غزل سنور رہی تھی۔ (رسالہ ''آج کل''، اپریل ۱۹۵۶ء)

حضرت غمگینؒ گوالیار میں ۱۸۵۱ء کو رحلت فرما گئے۔ دنیائے تصوف میں تابندہ شخصیت حضرت غمگینؒ کا دیوان رباعیات ''مکاشفات الاسرار'' میں 'الف' تا 'ے' تک قوافی و ردیف وار کئی کئی رباعیات کی تخلیق کی ہے۔ بہ سلسلہ ایک ایک رباعی یہاں پیش ہے۔

مکاشفات الاسرار

(الف)

غمگین کرے کوئی صفت کیا اس کے بھلا ہے جس کو کہ سب ظہورِ ارض و سما
احمد میں نہیں ہے محضر گو کہ احد پر خلق ہے احمد اور احمد ہے خدا

(ب)

جتنا تجھ پہ ہے عشق اس کا غالب غمگین وہ قلب کا ہے تیرے جالب
طالب وہ ترا ہے اور مطلوب ہے تو گر وہ نہ ہو تو نہ ہو تو اس کا طالب

(پ)

جب دل میں مرے کبھی کبھی آتے ہیں آپ اور اپنا ذرا جمال دکھاتے ہیں آپ
اتنی بھی مجھے خبر نہیں رہی کہ آہ کب آتے ہیں اور کب جاتے ہیں آپ

(ت)

ہر چند بلائے ناگہانی ہے موت اک روز نہ اک روز آنی ہے موت
مرنے سے پہلے جو مرے اے غمگین واللہ کہ اس کی زندگانی ہے موت

(ٹ)

دل پر لگی تیرے گر کبھی عشق کی چوٹ تو حسنِ قبیح پر بھی تو جاوے لوٹ
اس سے ہے بجائے اپنے زر سے بہتر جو قلب کسی کو سمجھے اس کا ہے کھوٹ

(ث)

یہ عشق ہے اس ظہور کا ہے باعث ظلمت کا اور نور کا ہے باعث

رہتی جو ہے تجھ کو اس سے غیبت غمگیںؔ واللہ کہ یہ حضور کا ہے باعث

(ج)

گر حشر کے ڈر سے ترا گھبرائے مزاج کر اپنی صفات و فعل سب تو تاراج
اور اس کی ہو دید میں فنا اے غمگیںؔ تا مانگے نہیں کوئی بھی ویراں سے خراج

(چ)

گرمی کا نشہ نہ ہو تو مستی ہے ہیچ اور عشق نہ ہو تو بت پرستی ہے ہیچ
غمگیںؔ یہ بات یاد رکھ نا میری جب تک فنا نہ ہو تو یہ ہستی ہے ہیچ

(ح)

مجھ کو نہیں یاد جانفشانی کی طرح کوئی نہیں اور زندگانی کی طرح
مجنوں کی روح ہائے تحلیل ہوئی بس دیکھ کر مری نا توانی کی طرح

(خ)

معلوم نہیں کہ کیا ہے اس گل میں شاخ ہوتے نہیں جو نشے میں بھی ہم گستاخ
اس نیش ادب کے ہاتھ سے اے غمگیںؔ ہیں میرے جگر میں اور دل میں سوراخ

(د)

غمگیںؔ بس ایک خود بخود ہے وہ وجود ہوتا ہر شے میں ہے تجھے جو شہود
کس طرح بھلا پرستش اس کی نہ کریں ہم بندے ہیں اس کے اور وہ ہے معبود

(ڈ)

جز اس دل پر وہ دلآرام نہ ڈھونڈ کر وقت نہ ضائع سحر و شام نہ ڈھونڈ

گر عشق ہے راحت تو سمجھ محنت کو　　دنیا ہے بلا تو اس میں آرام نہ ڈھونڈ

(ذ)

قاصد گو یہاں سے لے کے جاوے کاغذ　　ممکن نہیں جو وہاں سے لاوے کاغذ
آیا نہ ہو آہ جس کے خط بھی غمگینؔ　　کیونکر وہ بھلا تجھ سے لکھاوے کاغذ

(ر)

ان مرتبوں سے بہت ہے عارف برتر　　رہتی دو جہاں سے اس کی باہر ہے نظر
زہد و توکل و رضا و تسلیم　　ہیں شرح میں یہ مقام غمگینؔ اکثر

(ڑ)

چل راہ پریدہ ، پائے لنگی کو چھوڑ　　رکھ جی کو فراخ ، دل کی تنگی کو چھوڑ
رنگوں میں نہ قید رہ مشائخ کی طرح　　غمگینؔ آزاد ہے تو بیرنگی کو چھوڑ

(ز)

ہر چند کی سب عمل سے اولیٰ ہے نماز　　رکھتی ہے خلق کو گناہوں سے باز
پر یاد رہے کہ قرب حق ہر گز　　غمگینؔ نہیں کوئی راہ بہتر زنیاز

(س)

مدت سے میں دام میں پڑا ہوں بے بیکس　　صیاد مجھے اسی میں رہنے دے بس
مت چھوڑ چمن میں، دیکھ ظالم مجھ سے　　خالی دیکھا نہیں جانے کا قفس

(ش)

بس جو کہ خیال تھا وہی آیا پیش　　مجھ پاس نہ جان دل نہ ایماں نہ کیش

کس طرح وصال ہو میسّر غمگیںؔ　　وہ طالب جاں ہے اور میں ہوں درویش

(ص)

خوبوں کو کسی سے بھی بھلا ہے اخلاص　　رکھنا ان سے بہت بُرا ہے اخلاص
دشمن کے دوست، دوست کے دشمن ہیں　　غمگیںؔ ایسوں سے کب روا ہے اخلاص

(ض)

آگاہی دوام اس کی تجھ پر ہے فرض　　غافل کہیں یہ نہ رکھیو اپنے پر فرض
اک دم بھی نہ بھولنا کبھی اس کی یاد　　غمگیںؔ یہ قبول کیجئے میری عرض

(ط)

کیونکر پایاب ہو محبت کا شط　　جب تک نہ شراب کی بغل میں ہو بط
مستی سے دیکھ ہمیشہ رہیو ہوشیار　　غمگیںؔ یہ چاہتا ہوں میں تجھ سے فقط

(ظ)

تو چاہے اگر رہے گنہہ سے محفوظ　　دن رات شراب میں رہا کر محظوظ
مستی میں جو لطف ہے سو وہ اے غمگیںؔ　　ہوتا ہی نہیں کسی طرح سے ملفوظ

(ع)

دنیا کی بہت قلیل ہے یار متاع　　ہے اس پہ عبث خدا کے بندوں میں نزاع
غمگیںؔ وہ روز دیکھ، تو آج سمجھ　　آخر جس روز اسے ہونا ہے وداع

(غ)

اتنا غم و ہجر سے کہاں دل کو فراغ　　جو وصل کا میں لگاؤں کچھ اس کے سراغ

کیا خاک کروں تصوّر اس کا غمگیںؔ　　یاں کس کو مصوّری کا ہے آہ دماغ

(ف)

جمتی نہیں ہے دل میں دو جہاں کی تعریف　　ہر چند کی دین ہے یار دنیا شریف
آگ عشق کی جس زمیں میں بھڑکی غمگیںؔ　　کاہے کی ربیع ہے اس میں کاہے کی خریف

(ق)

اپنے نبیؐ کے دیکھ غمگیںؔ اخلاق　　ایسا تجھے شرط خلق پر ہے اشفاق
کافر کے واسطے بچھائی وہ ردا　　ارزاں قیمت میں جس کے ہے یہ آفاق

(ک)

مت کر تو نفی میں غیر کی کچھ تحریک　　اور اس کو یقین جان لے بے تشکیک
اپنی ہی فنا کی فکر رکھ اے غمگیںؔ　　تجھ بن نہیں اور کوئی اللہ کا شریک

(گ)

غمگیںؔ گر مرد ہے، تو کر نفس سے جنگ　　کیا چیز ہیں اس کے روبرو شیر و پلنگ
گر تو نے شکست دی تو ہے فتح تیری　　رکھے گا عمر بھر وگرنہ یہ تنگ

(ل)

ہو جب کے تجلیات قہری کا نزول　　لائق ہے تجھے کہ رہ وے تنہا مشغول
یاروں سے بھی تو نہ رکھے صحبت اس وقت　　ایسا نہ ہو ظالموں میں تیرا ہو شمول

(م)

کرتا ہے کسی پہ جب کہ تو جور و ستم　　نازل وہ قہر حق ہے تجھ پر ہمدم

گر تجھ کو کسی پہ رحم آوے غمگیںؔ تو جان کہ مجھ پر اب خدا کا ہے کرم

(ن)

اس شہر کی خلق کا عجب ہے ایماں سادات پہ باندھتے ہیں ناحق بہتان
کہتے ہیں مجھ کو رافضی اے غمگیںؔ واللہ کہ خارجی ہیں یہاں کے افغان

(و)

بے فائدہ مت یہ قصہ خوانی کر تُو مت ذکر زمین و آسمانی کر تُو
منظور تجھے ہے گر، دو عالم سے نجات غمگیںؔ تو دل کی پاسبانی کر تُو

(ہ)

غمگیںؔ ہے مجاہدہ میں توبہ کی یہ راہ ہے شرط تجھے کرے تو، توبہ کا نباہ
شرمندہ ہمیشہ اپنے افعال سے رہ مت بھول کبھی کئے ہیں جو کچھ کہ گناہ

(ھ)

غمگیںؔ بس معرفت کو طغیان سمجھ توحید کو الحاد تو ہر آن سمجھ
آگاہی کو اپنی جان غفلت سے تبر جو علم ہے تجھ کو اس کو نسیان سمجھ

(ی)

سادات ہیں جتنے ہم حسینی حسنی جد سب کے ہیں ایک وہ نبی مدنیؐ
غمگیںؔ سادات کو بھی لیکن ہے شرط خدمت کریں سب کی اور کریں کم سخنی

(ے)

غمگینؔ یہ شرح جسم انسانی ہے ان سے کیا جن کی روح حیوانی ہے
اوراس کے بدلے میں ہے حقیقت یہ روح جو سمجھے جدا یہ اس کی نادانی ہے

رباعی کی تخلیق میں خیامؔ، سرمدؔ اور ابوالخیرؔ شہرت دوام حاصل کر چکے ہیں۔ جب ہم حضرت غمگینؔ کی رباعیات پر نظر ڈالتے ہیں، تو زبان و بیان کی خوبیوں کے ساتھ جو مستی اور سرمستی نظر آتی ہے، اس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خیامؔ نے اردو کا جامہ پہن لیا ہے، یا حضرت غمگینؔ نے سرمد کی زبان میں باتیں کرنا شروع کر دی ہیں۔

حضرت غمگینؔ صوفی باصفا اور شاعر باکمال ہونے کے علاوہ ایک بزرگ معلم اخلاق بھی ہیں۔ مذہبی رباعیات جو حضرت غمگینؒ کے متعین کردہ عنوانات کے تحت گزشتہ صفحات میں پیش کی گئی ہیں، مضمون کے اعتبار سے اخلاقی اور درستی نوعیت کی بھی حامل ہیں۔ حضرت غمگینؒ نے ایک پیر روشن ضمیر کی حیثیت سے درس انسانیت دیا ہے۔

حضرت غمگینؒ کی جو رباعیات نمونتاً درج کی گئی ہیں ان کے مطالعہ سے یہ حقیقت روشن ہوتی ہے کہ رباعیات کی کثیر تعداد کے علاوہ ان کی رباعیات میں وہ تمام فن اپنی رنگینیوں اور رعنائیوں کے ساتھ بدرجہ اتم موجود ہے جو رباعی کے لئے مخصوص ہے۔

بقول ڈاکٹر شفاء گوالیاری ''عرفان و حقیقت کا ایک طوفان ہے جو امڈا آتا ہے۔ فلسفہ و حکمت کا ایک ایسا سیلاب ہے جو جوش خروش سے رواں دواں ہے۔ پند و نصائح، درس و تعلیم، فقر و تصوف کے باغ کھل رہے ہیں۔ تصوف کے بڑے بڑے پیچیدہ مسائل بڑی بصیرت اور حکمت اور سوز و محبت کی آنچوں سے پگھلا پگھلا کر حل کئے ہیں۔ عبد و معبود، اخلاق و انسانیت کا درس بڑی فنی اشاریت اور حسین ایمائیت سے دیا ہے۔''

حضرت غمگین کی رباعیات میں ابوسعید ابوالخیر کا روحانی عکس نظر آتا ہے۔ اور ان

کے مطالعہ میں یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ حضرت غمگین نے سرمد کی طرح کلام کیا ہے۔

ان رباعیوں کی ایک خوبی اور بھی ہے کہ تمام اصطلاحیں غزل کی ہیں، مے، میکش، میکدہ، جام، ساقی، دیر وحرم، اور وعظ کے کلام کی بہتات ہے۔ عوام کی زبان میں اس کے وہی معنی ہیں جو عوام سمجھتے ہیں، لیکن حضرت غمگینؒ نے یہ تمام اصطلاحیں، اصطلاحاتِ صوفیہ کے پیش نظر نظم کی ہیں۔ حضرت غمگینؒ نے یہ رباعی مرزا غالبؔ کو لکھ بھیجی تھی۔

کر ظن نہ کچھ اس شراب ربانی پر
مت کبر کر اپنے زہد نفسانی پر

گر کفر دوئی نہیں اے زاہد
قشقہ یہ کبود کیوں ہے پیشانی پر

مرزا غالبؔ نے اس رباعی کی تعریف میں لکھا کہ "رباعی کے تازہ مضمون نے بے خود کر دیا۔ خدا کی قسم کسی سخنور کی فکر اس نکتے تک نہیں پہنچی اور کسی نے بھی اس مضمون کو نہیں باندھا۔ زاہد کی پیشانی کے داغ کو "نیلے تلک" تشبیہ دینا بڑی پاکیزہ، تازہ اور دلآویز تشبیہ ہے۔"

مکتوبات

مرزا غالبؔ اور حضرت غمگینؒ کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ طویل رہا ہے۔ نمونے کے طور پر دو مکتوب ملاحظہ فرمائیں۔

خط۔۴

در دل ز تمنائے قدمبوس تو شوریست
شوقت چہ نمک دادہ مذاق ادبم را

قبلہ راستاں کے قدموں پر اپنی جان نچھاور کرنے کا خیال آتا ہے۔ اگر گستاخی نہ

ہوتو قبلہ سالکاں کے گرد سر پھیرنے کی آرزو کروں ۔ اگر ادب اجازت دے (تو) دلکش خطوط کا درود اور محبت آمیز نکات کی سماعت کہ جو مجھے اپنی خوش بختی کی امید دلاتی ہے، مجھے بیش سے بیشتر مبارک ہوں چونکہ جناب عالی نے اپنے قلب ونظر میں مجھے جگہ دی ہے اگر اس عروج پسندی پر میرا سر آسمان سے جا لگے تو بجا ہے اور اگر اس خودنمائی میں مجھے اپنے سوا کوئی دوسرا نظر نہ آئے تو جائز۔ اس دریائے کرم وسخاوت کی نوازشات کے شمار میں طالع یار خان مجھ سے بڑھ گئے ہیں اور میری عقیدت میں ناقابل حساب اضافہ کر دیا ہے۔ بھلا میں اس التفات کے لائق کہاں اور نکوکاری میں میرا وہ مرتبہ کہاں کہ کوئی میری تعریف کرے اور میرے دیدار کا تمنائی ہو اور وہ بھی ایسا اعلیٰ مرتبہ اور بلند پایہ شخص کہ جس کی فطرت سات سمندروں کی آبرو ہو اور جس کا پھول آٹھ گلستانوں کے لئے رنگ وبو۔ شبلی ماسوائے اللہ کے سارے قطع تعلق کے باوجود عبادت گاہ میں اس کے قدموں کی تمنا میں چشم براہ ہے اور منصور اس انا الحق کی پکار کے شور وغوغا میں اس کی بات سننے کی آرزو میں گوش برآواز ہے۔ سبحان اللہ۔ وہ (شخص) کہ جس کی شمعِ جمال کی پروانگی پر تجلی طور بھی فخر کرتی ہے، مجھ سے طالب جلوہ کر رہا ہے اور وہ کہ کوئی نظر جس کے نظارے کی تاب نہیں رکھتی، دیدار کی طالب ہے۔ کیا کروں ایک طویل مدت سے میری ہمت ایک مہم میں الجھی ہوئی ہے اور ایک مقصد کے ذوق کی تب وتاب نے میرے پیراہن میں چنگاری ڈال رکھی ہے اور بذات خود (ایک) نازک کام ہے اور دشوار مقصد ہے کہ جو اس سے پہلے کئی سال سے ریزیڈنسی دہلی میں کش مکش میں ہے اور ایک طویل مدت سے کلکتہ کی کونسل آف گورنر میں پڑا پیچ تاب کھا رہا ہے۔ اب دو سال ہوئے کہ وہ مقدمہ ملک لندن گیا ہے اور وہاں عدالت میں زیر غور ہے۔ جب تک کہ اس ملک سے کوئی جواب اور اس عدالت سے کوئی حکم نامہ نہیں آجاتا، اس جگہ سے حرکت کرنا اور دہلی سے باہر جانا ممکن نہیں ۔ میں چاہتا تھا کہ اس مقدمے کے

بارے میں، کچھ احوال جناب کی خدمت میں پہنچاتا لیکن اگر میں اس میں لگ جاتا تو طوالت کے سبب موضوعِ سخن ہی کھو جاتا اور گوہرِ مقصود بھی سامع کے ہاتھ نہ آتا۔ قصہ مختصر منتظر بھی ہوں اور مطمئن بھی (لیکن) اس کشمکش میں کہ جس کے سبب اندر اور باہر سے انتشار کا شکار ہوں، سفر یار انہیں۔ لیکن سمجھتا ہوں کہ انتظار کی گھڑیاں ختم ہونے کو آئیں اور مقصد کی گرہ کھلنے ہی والی ہے ارادہ یہ ہے اور اس بات کو پوری طرح سمجھتا بھی ہوں کہ جب ولایت سے نزاع کے اختتام کا حکم آجائے گا تو اس کے بعد سوائے اس تھوڑے وقت کے کہ جو ضرورت سفر میں لگے (مزید) دہلی میں نہیں ٹھہروں گا اور (سیدھا) عازم گوالیار ہو جاؤں گا۔ اگر چلنے والے پیروں سے چلتے ہیں میں سر کے بل چلوں گا۔ امیدوار ہوں کہ جناب عالی اپنے پرورش یافتگاں اور خوانِ فیض کے پارہ چینوں کو ہدایت فرمائیں گے کہ خاص وقت پر مجھے اور میرے کام کو خیال میں لا کر اس پر توجہ فرمائیں کہ میرا کام جلد ہو جائے اور میری آرزو بر آئے کہ میرے پائے واہ پیما کو کشادگی نصیب ہو اور میں گوالیار کا راستہ پکڑوں۔

پوشیدہ نہ رہے کہ طالع یار خان کے پہنچنے کے تین دن بعد جناب کا حکم نامہ کہ سراسر رنگ دبیرنگی کی تحریر سے پُر تھا، مجھے بذریعہ ڈاک ملا اور (وہ) میری ہمت کے بازو کا تعویذ بن گیا ہے۔ اسی طرح مجھے یہ امید بھی ہے کہ اس غرض کی داشت کے پہنچنے سے چند دن پہلے ہی سید امانت علی صاحب حاضر ہو کر آپ کی درگاہِ قبول میں میرا سلام نیاز اور نظرِ کرم میں فارسی کی غزلیں پہنچا چکے ہوں گے۔ اس تھوڑے سے عرصے میں میجر صاحب کرم فرما میجر جان جاکوب صاحب بہادر دو خطوط دولت خانے کی تعمیر کی تاریخ کی طلبی کے لئے مجھے ارسال کر چکے ہیں۔ ان دونوں خطوط کے جواب میں ایک خط کہ جو دو قطعات تاریخ پر مشتمل ہے اس معافی نامے کے ساتھ ہی ارسال کر رہا ہوں۔ مطالعہ کے بعد مکتوب الیہ کو دے دیا جائے۔ زیادہ حد ادب، از اسد اللہ۔ محررہ چودھویں ربیع الاول ۱۲۵۵ھ حیدر علی

صاحب اور میر امانت علی صاحب کی خدمت میں سلام نیاز پہنچے۔ مکرمی حکیم رضی الدین حسن خان صاحب کہ جو مجھے لطف وکرم سے نوازتے ہیں اور جن کی ملاقات ہی اس دکھ میں میری خوشی (کا سامان) ہے سلام، نیاز کہتے ہیں اور میری طرح ہی دیدار کے متمنی ہیں۔

خط۔۹

حضرت پیرومرشد برق خدا تعالی آپ کے سایہ کو دوام بخشے۔

بہت سے دن راتوں میں اور راتیں دنوں میں تبدیل ہو گئیں تب کہیں میری نیک بختی کی صبح افق اقبال سے طلوع ہوئی اور فرمانِ نور افشاں جان کے بازو کا تعویذ بنا۔ طالع یار خاں کا خط اور حکیم قطب الدین خان کا خط دونوں طالع یار خان کے سپرد کر دئے گئے اور جناب، حکم بھی پہنچا دیا گیا۔ وہ خط جو کہ بنام گرامی فقیر صاحب تھا وہ ان کی خدمت میں پہنچ گیا۔ غالباً آج یا کل میرے پاس آئیں گے تو جناب کا پیغام زبانی دے دوں گا۔ میں رشک سے مرا جا رہا ہوں کہ دوسرے لوگ گوالیار کے سفر کے ارادے کر رہے ہیں لیکن میرے لئے تا حال اس فیصلہ کی گھڑی نہیں آئی کہ جال سے باہر نکل سکوں۔ خدا کرے کہ جلد ہی میری مراد پوری ہو اور حکم ولایت کے انتظار کی گھڑیاں اور وقت فراق تمام ہو۔ ان ہی دنوں میں احباب میں غزل کے لئے ایک طرح طے ہوئی تھی اس زمین میں دس اشعار ہوئے تھے بامید اصلاح اس خط میں تحریر کی جاتی ہے۔

در وصل دل آزادی ءِ اغیار ندانم

دانند کہ من دیدہ ز دیدار ندانم

ترجمہ: میں وصل اغیار کی دلآزاری کا متحمل نہیں۔ لوگوں کو معلوم ہے کہ دیدار کو آنکھ سے علیحدہ نہیں سمجھتا۔

زیادہ حدِ ادب منجانب اسد اللہ۔ محررہ اٹھارہ رجب ۱۲۵۵ھ (۱۸۴۱ء)

ان مکتوب سے ظاہر ہے کہ حضرت غمگینؒ اور مرزا غالبؔ کے درمیان کتنے قلبی رابطے رہے ہیں۔

مخزن الاسرار (دیوان غزلیات)

دیوان مخزن الاسرار میں ۷۹۹ غزلیات کے علاوہ رباعیات، نظمیں، تضامین بھی شامل ہیں۔ حضرت غمگینؒ کی وفات کے ۱۵۲ سال کے بعد شاہ رضا محمد حضرت جی کے چھوٹے صاحبزادے شاہد محمد حضرت جی مرحوم نے ۲۰۰۸ء میں میری (قمر گوالیاری کی) تحقیقی کتاب ''گوالیار اور اردو زبان و ادب'' کے لئے حضرت غمگینؒ کے کلام اور معلومات کی تلاش میں میرا ساتھ دیا اور دھول زدہ دیمک زدہ بستوں میں مجھے مخزن الاسرار کا قلمی ضخیم دیوان ملا۔ اس کی فوٹو کاپی میں اس وقت موجودہ سجادہ نشین سید اعجاز محمد حضرت جی کو پیش کی۔ انہوں نے وہ فوٹو کاپی جناب نسیم حضرت جی کے پتے پر کراچی پاکستان بذریعہ ڈاک پہونچادی۔ قلمی مخزن الاسرار کی فوٹو کاپی کا عکسی روپ ۲۰۰۹ء میں ۶۳۹ صفحات کتابی شکل میں شائع فرمایا جو صرف دیکھا جا سکتا ہے، پڑھا تو جا ہی نہیں سکتا۔ ہونا یہ چاہئے تھا کہ 'مخزن الاسرار' کی اشاعت اردو کمپیوٹر ٹائپنگ کے بعد ہوتی تو سونے پر سہاگا ہوتی۔ اب موجودہ وارثان میں یہ سمجھ ہی نہیں کہ وہ قلمی نسخے کو ٹائپ کرا کے شائع کرا سکیں۔

حضرت غمگینؒ نے ۱۲۲۵ھ (۱۸۰۰ء) میں ایک دیوان مرتب کرلیا۔ اس دیوان کا ذکر اس عہد کے متعدد تذکروں میں ملتا ہے۔ اس کے بعد ایک طویل مدت تک شعر و شاعری کی طرف بہت کم متوجہ رہے۔ دوسرا دیوان ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ء) میں ترتیب دیا۔ سابقہ دیوان کی چند مخصوص غزلیں اس دیوان میں شامل کرلیں اور باقی ماندہ غزلیں رد کردیں۔

حضرت غمگینؒ کا دیوان مخزن الاسرار گوالیار میں مرتب کیا گیا۔ دیوان غزلیات

کا قطعہ تاریخ درج ہے۔

فکر میں تاریخ کے دیوان کی
یوں کہا ہاتف نے کیوں بیزار ہے
از سر درد دل اب غمگین ترا
آج دیوان مخزن الاسرار ہے

۱۲۵۳ھ

قطعہ تاریخ سے ظاہر ہے کہ دیوان کی ترتیب کے وقت حضرت غمگینؒ کو دہلی چھوڑے ہوئے بائیس برس کا عرصہ گزر چکا تھا لیکن ان کے کلام کا بغور مطالعہ کیجئے تو احساس ہوتا ہے کہ دہلی سے دور رہتے ہوئے بھی دہلی اسکول کی شاعری سے ان کا رشتہ نہایت مضبوط تھا ان کے کلام کے جائزے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مظہر، میر، سودا، فغاں، اور درد کی طرح انہوں نے بھی اردو زبان کی اصلاح کا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔

انہوں نے ایہام کو متروک قرار دے کر زبان کی فطری ساخت کو شاعری میں رواج دیا، اور ایک نئی روش وسعت اور پھیلاؤ کے ساتھ اختیار کی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام بلحاظ زبان و بیان میر تقی میر اور خواجہ درد کے کلام سے بڑی حد تک مطابقت اور مماثلت رکھتا ہے۔

غزلیات کا جائزہ

حضرت غمگینؒ کی غزلیات کا جائزہ لینے سے پہلے ہمیں ان کی غزلیات کو دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑے گا۔ پہلا حصہ شاعری کی ابتداء سے لے کر دیوان اوّل کی ترتیب کے زمانے (۱۲۱۵ھ۔۱۸۱۰ء) تک دوسرا حصہ ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ء) تک۔

پہلا دور

حضرت غمگینؒ کی شاعری کے پہلے دور پر نظر ڈالیں تو ہمیں ان کی شاعری میں وہ

تمام اوصاف اور محاسن نظر آتے ہیں جو اس عہد کی عشقیہ شاعری کا طرہ ءِ امتیاز سمجھے جاتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت غمگینؔ حسن عشق کی سرمستیوں میں سرشار تھے۔ اس دور کی غزلیں انہیں کیفیات اور جذبات کی آئینہ دار ہیں۔

غم اس کے ہجر کا مرے یوں دل نشیں رہا
خاتم کے بیچ وصل میں جیسے نگیں رہا

کوچہ سے ان کے جب میں چلا دل نے یہ کہا
اب آپ جائیں یاں سے مگر میں یہیں رہا

آیا نہ شب کو خواب میں وہ ماہرو کبھی
غمگیںؔ کو یہ خیال دم واپسیں رہا

یہ فائدہ تو ہوا تم سے جی لگانے کا
کہ میں رہا کہیں آنے اور نہ جانے کا

کروں میں عشق میں پردہ نشیں کے کیونکر آہ
میں پردہ دار ہوں پردہ نہیں اٹھانے کا

یہ داغِ عشق نہ ہو درد اپنے سینے سے
کہیں مٹا ہے کھدا حرف بھی نگینے سے

اب اس قدر مجھے عشق نے ستایا ہے
کہ تنگ آیا ہوں غمگیںؔ میں اپنے جینے سے

مندرجہ بالا اشعار سے ظاہر ہے کہ حضرت غمگینؒ کی عشقیہ شاعری میر تقی میرؔ اور مومن خاں مومنؔ کی عشقیہ شاعری سے بہت قریب ہے۔ عشق مجازی کے معاملات، کیفیات اور واردات کے بیان میں، حضرت غمگینؒ نے آدابِ عشق ملحوظ خاطر رکھا ہے۔

حضرت غمگینؒ کا محبوب پردہ نشین محبوب ہے اردو شاعری میں پردہ نشین محبوب کا تصور بہت قدیم ہے۔ مومنؔ تو ''عشق پردہ نشین'' میں بہت مشہور ہیں لیکن حضرت غمگینؒ کے کے کلام کے مطالعے سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ اس وصف میں اوّلیت کا شرف حضرت غمگینؒ ہی کو حاصل ہے۔ فی الحقیقت ''عشق پردہ نشین'' کے جتنے مضامین حضرت غمگینؒ کے یہاں نظر آتے ہیں، اتنے ان کے ہم عصروں میں کسی کے یہاں نہیں ملتے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

در پردہ اسے دیکھوں بے پردہ ہمیشہ
عاشق میں ہوا جب سے کہ اس پردہ نشیں کا

میں تو یہ آوارہ، وہ پردہ نشیں
طور ہو کس طرح ملاقات کا

مجھ سے وہ شوخ جو ہو پردہ نشیں بیٹھ رہا
دل بھی روپوش مرا ہو کے کہیں بیٹھ رہا

پہنچا ہے نہ پہنچے گا کبھی اس پردہ نشیں تک
اے دل ہو تیرا کوچے میں، اس کے ہے گزر ہیچ

اگر وہ پردہ نشیں ایک دم رہے مجھ پاس
کروں نثار میں اس پر سے دو جہاں عزیز

کیونکر اس پردہ نشین کے کہو گھر جاتے ہیں
دین دنیا سے نہ جب تک کہ گزر جاتے ہیں

وہ پردہ نشیں جب سے مہمان ہے گھر میں
میں جسم سے باہر ہوں جان ہے گھر میں

عشق میں جس کے مری عمر ہوئی آہ تمام
اب تک اس پردہ نشیں سے مجھے پہچان نہیں

پردہ دار اس کے ہیں پہلے سے مرے ہوش وحواس
اور اس پردہ نشین کی پردہ داری کیا کہوں

آج اس پردہ نشیں نے مجھے اس شکل سے آہ
اپنی صورت کو دکھایا ہے کہ جی جانے ہے

دوسرا دور

حضرت غمگینؒ عشق پردہ نشیں میں طویل مدت تک گرفتار نہ رہ سکے۔ انتیس ۲۹ برس کی عمر میں میر سید فتح علی خاں گردیزیؒ سے بیعت ہونے کے بعد فقر کی راہ اختیار کر لی اور اس کے بعد ان کی شاعری کے پہلے دور یعنی عشق مجازی کے دور کا خاتمہ ہو گیا اور حضرت غمگینؒ عشق حقیقی سے لذت شناس ہوئے۔ اس کے بعد مسلسل ریاضت، مشاہدوں، مراقبوں، اشغال واذکار میں مصروف رہنے کی وجہ سے شاعری کی طرف پوری توجہ نہ دے سکے۔ یکا یک شاعرانہ کیفیات اور جذبات نے پھر غلبہ پایا اور ساٹھ سال کی عمر میں دیوان غزلیات مرتب کیا۔ اس دور میں حضرت غمگینؒ کی شاعرانہ شخصیت میں ایک عارف کامل اور

صوفی باصفا کی شخصیت زیادہ واضح اور نمایاں نظر آتی ہے۔ اب وہ حسن مطلق کے جلووں اور شاہد حقیقی کی جلوہ طرازیوں میں کھوئے ہوئے ملتے ہیں اور ہر وقت شرابِ معرفت کے نشے میں سرشار نظر آتے ہیں۔ یہی دور عشق حقیقی کی معراج کا دور ہے۔

حضرت غمگینؒ کی غزلیات کا مجموعہ گونا گوں شعری محاسن کا حسین گلدستہ ہے۔ حضرت غمگینؒ کے محاسن کلام کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) موضوعات۔ جناب یونس خالدی ماہنامہ نیا دور لکھنؤ (جولائی ۱۹۵۵ء) میں حضرت غمگینؒ کی شاعری کے متصوفانہ مرتبہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

''حضرت غمگینؒ صرف شاعر ہی نہیں تھے بلکہ ایک زبردست مصلح اور اپنے وقت کے شیخِ کامل تھے۔ آپ کی فیض بخشی کا سلسلہ بھی عام تھا، لیکن شعراء کی صف میں جو مقبولیت خواجہ میر دردؔ کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔ تاریخ ادب اردو کی روشنی میں میر دردؔ ہی پہلے صوفی شاعر ہیں جنہوں نے مجاز کو حقیقت سے آشنا کرایا اور بارگاہ محبوب میں جبہہ سائی کرتے کرتے حقیقی محبوب کے مطلوب بن گئے۔ خواجہ درد کی شاعری پاکیزہ اور جاندار ہونے کے علاوہ معرفت کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے اور ان کی روح کی پاکیزگی ان کے کلام میں بھی سرائیت کر گئی ہے۔ اس لئے ان کا کلام پڑھتے وقت یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ دنیا ایک فانی دنیا ہے۔ اس دنیا کے علاوہ ایک اور دنیا جو اپنی پاکیزگی کی وجہ سے ممتاز اور منفرد ہے۔ اس وصف میں اگر کوئی ان کا شریک ہے اور کسی دوسرے کے کلام میں یہ محاسن نظر آتے ہیں تو وہ حضرت غمگینؒ ہیں۔ اگر حضرت غمگینؒ کی شاعری آج سے قبل کاغذی پیکر میں آ گئی ہوتی تو ناقدین کی زبانیں پکار اٹھتیں کہ اس باب میں اولیت کا شرف اگر کسی کو حاصل ہے تو وہ حضرت غمگینؒ کو حاصل ہے۔''

یہ حقیقت ہے کہ خواجہ میر دردؔ کے بعد اگر کسی نے تصوف کی روح اردو شاعری کے قالب میں پھونکی ہے تو وہ حضرت غمگینؒ ہیں۔ ان کی شاعری کا بڑا حصہ (پہلے دور کی شاعری کو چھوڑ کر) سرتاپا تصوف میں ڈوبا ہوا ہے۔ ایسے اشعار جن میں تصوف کی مسلمہ اصطلاحیں اور متعارف مضامین نظم

ہوئے ہیں وہ ان کے کلام میں سیکڑوں ہیں۔ یہ اصطلاحیں وہی استعمال کر سکتا ہے جو تصوّف کے اسرار و رموز سے پوری طرح واقف ہو۔ حضرت غمگینؒ کا بیشتر متصوّفانہ کلام ایسا ہے جن میں نہایت سادہ اور سلیس زبان میں تصوّف کے دقیق اور وقیع مسائل بیان کئے گئے ہیں۔

میرا ظاہر اپنے باطن ہی کو کرتا ہے سجود
کیا کہوں اسرار تجھ سے ساجد و مسجود کا

''ظاہر اور باطن'' میں ''ساجد و مسجود'' کا تعلق کس خوبی سے پیدا کیا ہے دل کا آئینہ اگر کدورت سے پاک ہو تو اس میں شاہد و مشہود دونوں ایک نظر آتے ہیں۔ یہ دل کی کدورت ہی ہے جس نے شاہد و مشہود کے درمیان دیوار کھڑی کر دی ہے۔

بے کدورت دل کے آئینے میں دیکھا صاف صاف
ایک نقشہ ہم نے اکثر شاہد و مشہود کا

صوفیوں کے نزدیک ہستی کا زوال ہی اس کے کمال کی معراج ہے۔ اس مفہوم کو کتنی سادگی سے ادا کیا ہے۔

یہ جو اے دل زوال ہے تیرا
جان اس کو کمال ہے تیرا

حضرت غمگینؒ کے کلام میں متعدد اشعار ایسے ہیں جنہیں متصوّفانہ شاعری کا بے مثال اور لازوال سرمایہ کہا جا سکتا ہے۔ حضرت غمگینؒ نے بادہ و ساغر اور ساقی و میخوار کے مضامین کثرت سے نظم کئے ہیں ''مشاہدہ حق کی گفتگو'' کو پر کیف بنانے کے لئے انہوں نے ''بادہ و ساغر'' کا سہارا لیا ہے ورنہ شراب کہاں اور حضرت غمگینؒ کہاں!

مجھ پہ بہتان ہے صرف اے غمگیں
مجھ کو دیکھو، شراب کو دیکھو

ڈاکٹر ابو محمد سحر صاحب مطالعہ امیر مینائی میں لکھتے ہیں۔

''بادہ وساغر کے مضامین کی غزل میں ایک مستقل جگہ ہے۔ان میں کبھی رندی اور سرمستی کی اصل کیفیات بیان کی جاتی ہیں اور کبھی ان کے پردے میں مشاہدہ حق کی گفتگو کی جاتی ہے۔بعض شعراء نے خمریات کو ایک رنگ کی حیثیت سے اپنایا ہے اور باوجود اس کے کہ ان کی شراب نوشی کے متعلق کوئی قطعی ثبوت نہیں ملتا اس میں خاصے کامیاب ہوئے ہیں۔بڑی حد تک غزل میں شراب اور اس کے متعلقات کا بیان علامتی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح قفس اور آشیاں کے مضامین لکھنے کے لئے شاعر کا پرندہ ہونا ضروری نہیں اسی طرح رندانہ مضامین کو نظم کرنے کے لئے شرابی ہونا بھی لازمی نہیں۔''

حضرت غمگینؒ کی رندی ومستی معمولی رندی ومستی نہیں ہے بلکہ یہ وہ رندی ومستی ہے جس نے انہیں ''واقفِ اسرار خفی وجلی'' بنادیا ہے۔

خم کے خم پی گئے اور ایک نہ توڑا شیشہ
بارے ہم مستوں سے میخانے کا آداب رہا

اب میں ہوں تو ہے شب ہے نشہ ہے شراب کا
مت کر حجاب وقت نہیں ہے حجاب کا

وہی شراب وہی نشہ ہے شراب کا
ساقی جدا ہے طور یہ کیوں ہر خراب کا

جسے کہ ذوق نہو کچھ شراب پینے کا
کوئی یہ پوچھے کہ کیا لطف اس کے جینے کا

حضرت غمگینؒ کی یہ چند اشعار صرف اُن کا ایک مخصوص رنگ سخن نمایاں کرنے

کے لئے پیش کیے گئے ہیں۔

مخمسات

حضرت غمگینؒ کے دیوان غزلیات ''مخزن الاسرا'' میں حمد، نعت، غزلیات، رباعیات اور تاریخی قطعات کے علاوہ سات مخمسات بھی شامل ہیں۔ جو شاعرانہ محاسن حضرت غمگینؒ کی غزلیات اور رباعیات میں پائے جاتے ہیں ان کا پرتو مخمسات میں بھی نظر آتا ہے۔ حضرت غمگینؒ غزل گوئی میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں اور رباعیات کی تعداد اور موضوعات کی ہمہ گیری کی وجہ سے وہ اردو ادب میں ایک منفرد اور ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ اردو شاعری میں ان کے شاعرانہ مقام کو متعین کرنے کے لیے یہی دو اصناف سخن بہت کافی ہیں۔ میر تقی میر کے قصائد اور مثنویوں میں وہ نشتریت نہیں جو ان کی غزلیات میں ہے۔ سودا کی غزلیات میں وہ شان وشکوہ نہیں جو ان کے قصائد کا طرۂ امتیاز ہے۔ اسی طرح حضرت غمگینؒ کے مخمسات میں بھی موضوع کا وہ تنوع نہیں جو غزلیات اور رباعیات میں نظر آتا ہے۔ تاہم انداز بیان کی سلاست اور روانی کے اعتبار سے مخمسات بھی اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔

حضرت غمگینؒ کی شاعری کے مطالعہ کی تکمیل کے لیے ان کے مخمسات کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ چار مخمسات پیش کیے جاتے ہیں۔

مخمس-۱

تھا قصد سیر اپنا اک عمر سے وہاں کا　　عنقا بھی خوشہ چیں ہے جس باغ و بوستاں کا
معلوم ہی نہ تھا کچھ نام ونشاں جہاں کا　　چندے سے ہوں مکیں میں غمگیں اب اس مکاں کا

ہوتا گزر نہیں ہے جس میں فرشتگاں کا

ہستی کے قید کے دکھ کب تک یہاں سہوں میں　　اس باغِ بے بقا میں بے بال و پر رہوں میں
احوال تجھ سے اپنا کچھ تو بھلا کہوں میں　　اس گلستاں کا طائر اے ہم صفیر ہوں میں
جس جا پتا نہیں ہے عنقا کے آشیاں کا

ہر چند تجھ کو بھولیں کمبخت یہ دیوانے　　اور دوستی کہ دنیا یا دین دل میں ٹھانے
گر کوئی بھید ان کو سمجھائے تو نہ مانے　　یہ چاہے یا نہ چاہے یہ جانے یا نہ جانے
مقصود پر تو ہی ہے ہر ایک انس و جاں کا

آتا ہے دید میں جو اپنا ہی یہ گماں ہے　　بے اصل آہ بالکل یہ کون اور مکاں ہے
سب بے ثبات یاں کا یہ باغ و بوستاں ہے　　اس گلستاں میں بلبل اک اور گلستاں ہے
اس سے لگا تو، دل کو تو غم نہو خزاں کا

باندھی ہے تو، نے کس سے ملنے کی آس اے دل　　رہتی یہی ہے دل میں دن رات یاس اے دل
جاتے ہیں کھوئے اس میں میرے حواس اے دل　　جانے کا قصد واں کے ہے کس کے پاس اے دل
ہم نے سنا نہ دیکھا نام و نشاں جہاں کا

کچھ بھید برہمن یہ اے ہم نشیں سمجھتا　　تو کفر چھوڑتا وہ اور قدر دیں سمجھتا
جو کچھ سمجھ ہے میری وہ بے یقیں سمجھتا　　بت سے زیادہ ان کو واللہ نہیں سمجھتا
ہر چند شیخ جی میں عاشق ہوں ان بتاں کا

آگاہ لوگ اس سے عالم میں ہیں بہت کم　　غفلت میں یہ خوشی ہے مطلق نہیں انہیں غم

رہتا ہے فکرِ غمگیں اب یہی مجھ کو ہر دم　　کہتا نہیں ہے کوئی اہلِ زمیں سے ہمدم
نقشہ ہے دم بدم میں کچھ اور آسماں کا

مخمس-۲

ہر چند کہ دل میرا مرے ہاتھ نہیں اب　　اور ہجر کی طاقت مجھے ہیہات نہیں اب
پر کیا کروں کچھ لطف ملاقات نہیں اب　　محفل میں وہ چھپ چھپ کے اشارات نہیں اب
جانے کی وہاں اپنے کوئی بات نہیں اب

کیوں زندہ رہا میں کہ یہ دن آنکھوں سے دیکھوں　　غیروں سے وہ چشمک ارے ان آنکھوں سے دیکھوں
وہ آنکھیں نہیں میری کہ جن آنکھوں سے دیکھوں　　میں جا کے وہاں کیا کروں کن آنکھوں سے دیکھوں
آنکھوں میں ہیں اس کی وہ عنایات نہیں اب

سچ یوں ہے کہ جاتے تھے جہاں بزم میں اس کے　　تو بول نہ سکتے تھے میاں بزم میں اس کے
ہوتے تھے اشارات نہاں بزم میں اس کے　　کس بات پر اب جائیں وہاں بزم میں اس کے
ہونٹوں میں بھی دو حرف و حکایات نہیں اب

کیوں ہمدمو، لائے ہو وہاں سے تم اٹھا کر　　جو ایسے پشیمان ہو یاں مجھ کو بٹھا کر
پچھتایا ہوں میں آپ بھی اس صنف میں آ کر　　بہلاؤں جو دل اپنے کو اس کوچے میں جا کر
طاقت میرے پاؤں میں یہ ہیہات نہیں اب

کیوں باگ کہو مستی سے اب موڑ دی تم نے　　اور دختر رز سے کہو کیوں توڑ دی تم نے
کیا وجہ گلابی کہو جو چھوڑ دی تم نے　　میخواری مگر شب کی کہیں چھوڑ دی تم نے

اے شیخ جی جو کشف و کرامات نہیں اب

جس دن سے لگے رہنے ہم اس بزم سے محروم　　دائم غم ہجراں میں رہا کرتے ہیں مغموم
کچھ اپنی خبر ہم کو نہیں ایسے ہیں مہموم　　کس طرح سے احوال کو اپنے کریں معلوم
اکدم کی بھی فرصت ہمیں دن رات نہیں اب

آزردہ نہ ہو ہم سے تو تجھ سے کہیں اک بات　　اب سخت بہت کٹتے ہیں ہم رندوں کے اوقات
ایسے تو کسی شیخ کے بھی ہونگے نہ حالات　　میخواری نہ شورش ہے نہ وہ مستی ہے ہیہات
اب ساقی یہ مسجد ہے خرابات نہیں اب

جب آتے نہ تھے یاں تو ہمارے تھے عجب طور　　رکھتے تھے خیالات میں دنیا ہی کے بس غور
کیا جانے کہ کیا دل کو ہوا اپنے یہ فی الفور　　صحبت میں ترے جز مئے و معشوق نہیں اور
غمگین ہمیں کچھ وہم و خیالات نہیں اب

مخمس-۳

بن دیکھے اس کے رہتی اس دل کو تاب کیونکر　　جوں جامِ مے نہ ہوتا دیدہ پر آب کیونکر
کاٹیں یہ دن کہو ہم خانہ خراب کیونکر　　ہے ماہ صوم ساقی پی لیں شراب کیونکر
اور اس سے بے پئے ہم ہوں بے حجاب کیونکر

شاید کہ ان دنوں ہے ہم سے خفا تو ساقی　　کس واسطے ہوا ہے یہ بے وفا تو ساقی
دے جام جلد ہم کو مت کر جفا تو ساقی　　اس سے زیادہ دل کو اب مت جلا تو ساقی
رہوے گا اس مزے پر چربیہ کباب کیونکر

ایسا نہیں جنوں کا کچھ شور آہ سر میں　　دل کو بھلاؤں جا کر جنگل میں اور بر میں

لگتا ہے باغ ویراں ہمدم مری نظر میں　　گھر اپنے کر گیا وہ ڈھنڈھورا ایسے گھر میں
پھر دل لگے گا میرا خانہ خراب کیونکر

رہتا ہے دل یہ اس کے انداز کی طلب میں　　اور جاں رہے ہے ہر دم اک راز کی طلب میں
آنکھیں ہیں میری اپنے دم ساز کی طلب میں　　سامع رہے ہیں ہر دم آواز کی طلب میں
دے لطف ہم کو ہے ہے بین و رباب کیونکر

اپنا برا مقدر آخر بھلا ہے ہم کو　　پینے کا مے کے ہر دم تازہ نشہ ہے ہم کو
جو عشق ان بتاں کا ایسا دیا ہے ہم کو　　جرم و گنہ کی خاطر پیدا کیا ہے ہم کو
واعظ بھلا کریں ہم کار ثواب کیونکر

بہلائیں دل کو ساقی کب تک شراب پی پی　　بن دیکھے اس کے جی میں میرے نہیں ہے اب جی
مقدور جس قدر تھا تدبیر ہم نے سب کی　　جاتی نہیں ہے ہمدم تاب رُخ اس کی دیکھی
اور گر نہ دیکھیں ہے پھر ہو دل کو تاب کیونکر

میں پوچھتا ہوں تجھ سے گر تو نے خوب مے پی　　اور اس نشے میں مارا گالی کسی کو یا دی
نزدیک عارفوں کے حرکت ہے سب نہ در کی　　جب تک نہ ہووے حاصل غمگیں فنائے فعلی
جنت میں جائے گا تو پھر بے حساب کیونکر

مخمس-۴

میں نے ہر چند بچایا بہت آفات سے دل　　پر قدم دیکھتے ہی اس کے گیا ہاتھ سے دل
ایسا آزردہ یہ کم ہے فقط اک بات سے دل　　گرم الفت نہیں اس سے رہی کل رات سے دل
ہائے یہ سرد ہوا سب کی ملاقات سے دل

رنج و غم دل پہ رہے جب یوں ہی بیٹھے بیٹھے　　کوئی تفریح بھلا کب یوں ہی بیٹھے بیٹھے
مے کشی کرتے تھے جب سب یوں ہی بیٹھے بیٹھے　　اس نے بات ایسی کہی شب یوں ہی بیٹھے بیٹھے

اٹھ گیا ہائے مرا ہمدمو، ہر بات سے دل

ایسا بدحال ہے کس واسطے یہ دل تیرا ہے یقیں عشق ہی اس کی تجھے چھپ بخشے گا
دم دیے تیرے لیے میں نے نہ کچھ اسکو کہا وائے حسرت کہ وہ لگا نہیں لگنے دیتا
ورنہ خوب اس کے لگاتا میں تجھے گات سے دل

دخل اس فن میں ہے اے ہمدمو، ہم کو ایسا کہ سمجھتے ہیں یہ سب مرشد و ہادی مولا
عقل چکر میں یہاں آہ ہے لیکن بخدا فلسفیت کا ہمیں اپنی بڑا تھا دعویٰ
لے گیا پر نہیں معلوم وہ کس گھات سے دل

کچھ غمِ ہجر نوالا نہیں جس کو کھالے کس طرح سینے سے اس کوہِ الم کو ٹالے
ابتر اڑتے ہیں جگر دل کے مرے پر کالے کوئی لے جا کے مجھے قدموں پہ اس کے ڈالے
ورنہ جاتا ہے ابھی ہائے مراہات سے دل

کوہ تمکیں ہے یقیں جان مرا دل اے شیخ ہو گرفتار تلوّن میں وہ کیا دل اے شیخ
تیرے قابو میں بھی ہے دیکھ بھلا دل اے شیخ سو جگہ جائے ہے مسجد سے ترا دل اے شیخ
میرا جاتا ہی نہیں آہ خرابات سے دل

کچھ سمجھتا ہی نہیں ہائے یہ دل نیست و ہست کس کو کہتے ہیں بلند اور کسے کہتے ہیں پست
اس پر اس شوخ نے مے دے کے کیا اور بھی ست اختیار اس کو نہ کرتا یہ کبھی روز الست
عشق کے گر ہو خبردار مکافات سے دل

بار خلقت کا نہ اپنے پہ لیا کر واعظ ساتھ ہم مستوں کے مے آ کے پیا کر واعظ
خلق کو پند جو دے نیک دیا کر واعظ مئے معشوق کا کچھ ذکر کیا کر واعظ

سخت بے زار ہے اس تیری خرافات سے دل

جو ثمر آہ لگاتا ہے شجر الفت میں　　اسکا مذکور کروں گا میں کبھی فرصت میں
دل کی پوچھو نہ خبر آہ ہے کس حالت میں　　بیٹھنے جب سے لگا مستوں کی یہ صحبت میں
اٹھ گیا عالم دنیا کی ہر اک بات سے دل

جب کسی شخص سے ہوتی ہے کسی شخص کو نباہ　　اپنا بیگانہ کوئی بھی نہیں رہتا ہمراہ
گر نہ باور ہو تو کرلو مری حالت پہ نگاہ　　ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس شوخ کو اے غمگیںؔ آہ
پہنچا اس جا کہ وہاں اپنے رہا ہات سے دل

حضرت غمگینؒ کے یہ چاروں مخمسات ان کی اپنی غزلوں پر تضمینین ہیں۔ حضرت غمگینؒ کی تضمینوں کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی کسی ایک غزل کا انتخاب کر کے غزل کے ایک شعر کے مضمون میں مزید وسعت اور پھیلاؤ کی غرض سے تین مصرعے اور لگائے ہیں۔ اس طرح غزل کے شعر کے مختصر مضمون کی توسیع اور تشریح فرمائی ہے۔ اکثر اساتذہ کی غزلوں پر تضمینیں کی جاتی ہیں۔ حضرت غمگینؒ نے تضمین کے لیے کسی اور شاعر کی غزل کا انتخاب اس امر کے پیش نظر نہیں فرمایا ہے کہ اس طرح کی تضمینوں میں ایک مکمل شعر دوسرے شاعر کا ہوتا ہے اور اس پر جو اضافی مصرعے لگائے جاتے ہیں وہ شاعر کی اپنی تخلیق ہوتے ہیں۔ اس تخلیق کی بنیاد دوسرے شاعر کی تخلیق کا درجہ ثانوی ہوتا ہے۔ حضرت غمگینؒ نے ''تضمین گوئی'' میں بھی ایک نئی راہ نکالی ہے کہ اپنی ہی غزلوں پر تضمینوں کی تخلیق کی ہے۔

مخمس نمبر ا، اس میں حضرت غمگینؒ کی صوفیانہ اور شاعرانہ دونوں شخصیتیں شامل ہیں۔ انہیں ''ہستی کی قید'' کا ''دکھ'' ہے اور اس ''باغِ بے بقا'' یعنی دنیا میں اپنی بے بال و پری کا

احساس ہے۔ وہ ایسے بلند و بالا مقام کے طائر ہیں جہاں ''عنقا'' کے آشیانے کا بھی پتا و نشان نہیں ہے۔ انہوں نے اس مخمس میں ترک دنیا (جو صوفیوں کا اہم مسلک ہے) کا درس دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ ہمیں بظاہر نظر آتا ہے وہ محض وہم و گمان ہے۔ اس باغ ہستی کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس باغ کے علاوہ ایک باغ ایسا ہے جہاں خزاں کا گزر نہیں۔ وہ لوگوں کو دنیا کی محبت میں گرفتار دیکھ کر ان کی غفلت پر اظہار رنج کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔

کہتا نہیں ہے کوئی اہل زمیں سے ہمدم
نقشہ ہے دم بدم میں کچھ اور آسماں کا

مخمس نمبر ۲، ۳، ۴

ان مخمسات میں حضرت غمگینؒ کی خالص شاعرانہ شخصیت، آشکار ہوتی ہے۔ وہ شراب و شاہد اور مئے معشوق میں کھوئے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کا دل محبوب کے ناز و انداز کا شیدائی ہے اور گوش شوق چنگ و رباب کی آواز میں محبوب کی آواز تلاش کرتے ہیں۔ ان تینوں مخمسات میں حضرت غمگینؒ عشق مجازی میں ڈوبے ہوئے اور اپنے استاد رنگین کے رنگ میں کھوئے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان مخمسات کی شعری فضاء میں حضرت غمگینؒ حسن و عشق کی سرمستیوں میں سرشار ہیں اور محبوب کی عشوہ طرازیوں میں خود کو کھو چکے ہیں۔ حضرت غمگینؒ کی شاعری کے اس حصے میں ہم ان کی شاعرانہ اور صوفیانہ شخصیتوں کو علیحدہ علیحدہ دیکھ سکتے ہیں۔ اس حصے کے علاوہ ان کی شاعری کا بڑا حصہ ایسا ہے جس میں ان کے شاعرانہ کمالات اور صوفیانہ عقائد ایک دوسرے سے اس شدت کے ساتھ پیوست ہیں کہ انہیں جدا کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

خصوصیات مخزل الاسرار (دیوانِ غزلیات)

حضرت غمگینؒ کی غزلیات کی خصوصیات پیش ہیں۔ ان خصوصیات کی مثالیں

آپ کے اشعار میں گاہ بہ گاہ مل جائیں گی۔

معنی آفرینی

بقول مرزا غالبؔ ''شاعری قافیہ پیمائی نہیں معنی آفرینی ہے۔'' حضرت غمگینؒ کی شاعری میں معنی آفرینی کا جز نظر آتا ہے۔

تشبیہات

حضرت غمگینؒ نے تشبیہوں کو بھی اظہارِ بیان کا ذریعہ بنایا ہے۔ وہ تشبیہوں کے سہارے مفہوم ادا کرتے ہیں۔ مفہوم کی ادائیگی کے لیے تشبیہوں کا سہارا نہیں لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تشبیہیں بہت سادہ اور موثر ہوتی ہیں جن کی بنیاد ان کے تجربات اور مشاہدات پر ہوتی ہے۔ کاسۂ نرگس میں بھرے ہوئے شبنم کے قطروں کو دیکھ کر انہیں اپنا دیدہ پُر آب نظر آجاتا ہے۔

لفظی صنعت گری

حضرت غمگینؒ نے لفظی صنعت گری سے بھی جا بجا کام لیا ہے اور اس ضمن میں بھی وہ اپنے معاصرین سے کسی طرح کم نظر نہیں آتے۔

تکرار لفظی

حضرت غمگینؒ اشعار میں تکرار لفظی سے ایک خاص اثر اور زور پیدا کر دیتے یہ خصوصیات ان کی غزلوں میں کثرت سے نظر آتی ہے۔

تمثیل نگاری

اردو شاعری میں اور خصوصاً غزل میں تمثیل نگاری کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ فن بہت نازک فن ہے۔ لہٰذا قادر الکلام شعراء ہی اس کو بخوبی نباہنے میں کامیاب

ہو سکتے ہیں۔ اس صنعت میں پہلے ایک دعویٰ کیا جاتا ہے اور پھر ثبوت کے طور پر مثال پیش کی جاتی ہے۔

سہل ممتنع

''سہل ممتنع'' حضرت غمگینؒ کے کلام کا خاص وصف ہے جو ان کی کہنہ مشقی اور قادر الکلامی کی دلیل ہے۔ اس وصف نے ان کے کلام کو زور اور اثر کی دولت سے مالا مال کر دیا ہے۔ انہوں نے واردات قلبی کو سہل ممتنع کے پیرائے میں انتہائی مہارت سے پیش کیا ہے۔

سلاست روانی اور سہل ممتنع کی جتنی مثالیں حضرت غمگینؒ کے کلام میں ملتی ہیں اردو کے کسی شاعر کے یہاں مشکل ہی سے ملیں گی۔

میر تقی میرؔ، میر دردؔ، غالبؔ اور مومنؔ کے کلام میں ''سہل ممتنع'' کا وصف نمایاں ہے۔ لیکن مجموعی اعتبار سے ان اساتذہ کے کلام میں ایسے اشعار کی تعداد نسبتاً کم ہے۔ حضرت غمگینؒ کو اس ضمن میں اپنے ہم عصروں پر فوقیت حاصل ہے۔

مشکل زمینیں

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے سلاست اور روانی حضرت غمگینؒ کے کلام کے خاص محاسن ہیں۔ خوبی یہ ہے کہ مشکل سے مشکل زمین میں غزل کہتے وقت بھی اندازِ بیان کی روانی اور سلاست میں سر مو فرق واقع نہیں ہوتا۔ حضرت غمگینؒ نے نئی نئی اور مشکل زمینوں کو اپنی کہنہ مشق اور چابک دستی سے پانی کر دیا ہے۔ انہیں الفاظ پر اتنی قدرت ہے کہ خارزار بھی گلشن بن جاتے ہیں۔ ان زمینوں کے ایجاد کا سہرا بھی حضرت غمگینؒ کے ہی سر ہے۔

مترنم بحروں کا انتخاب

بحروں کے انتخاب اور ان کے ترنم اور آہنگ میں اضافہ کرنے کا سلیقہ حضرت غمگینؒ میں خوب ہے۔ یہ غزلیں ان کے حسن طبیعت اور جذبات کی لطافت کی غمازی کرتی ہیں۔ یہ سلیقہ بھی حضرت غمگینؒ کو تصوف ہی نے ودیعت کیا ہے۔ صوفیوں کے یہاں سماع کا ایک خاص اور اہم مقام ہے۔ حضرت غمگینؒ نے اس موضوع پر ایک رسالہ ''باب سماع'' بھی تصنیف کیا ہے۔ ان کی اکثر غزلوں میں لہجے کی نرمی اور الفاظ کی تازگی نے ایک خوشگوار آہنگ اور ترنم پیدا کر دیا ہے۔

مختصر بحروں کا انتخاب

یہ بات ہر صاحب ذوق جانتا ہے کہ طویل بحروں کے مقابلے میں مختصر بحروں میں شعر کہنا زیادہ دشوار ہوتا ہے۔ مختصر بحروں کے اشعار میں یہ تاثیر ہوتی ہے کہ وہ تیر کی طرح نکلتے ہیں اور سننے والے کے دل میں پیوست ہو جاتے ہیں۔ مگر ان میں زور بیان اور اثر کی طاقت ہونا لازمی ہے۔ الفاظ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں اور تکرار سے زور اور اثر پیدا کرنا بڑی مشاقی اور مہارت کا کام ہے۔ حضرت غمگینؒ اس فن کے استاد ہیں۔

مسلسل غزل

حضرت غمگینؒ کے دیوان میں چند غزلیں ایسی نظر آتی ہیں جن میں معنوی اعتبار سے شروع سے آخر تک ایک تسلسل قائم ہے اس دور کے شعراء میں یہ خصوصیت کسی شاعر کے یہاں نظر نہیں آتی۔ غزل کے دو چار اشعار جن میں مفہوم کے اعتبار سے تسلسل ہوتا ہے انہیں ''قطع بند'' کر دیا جاتا تھا۔ اس کی مثالیں تو حضرت غمگینؒ کے ہم عصر شعراء کے یہاں بے شمار مل جائیں گی لیکن غزل میں شعوری طور پر ایک مسلسل نظم کی کیفیت پیدا کر دینے کا

رجحان حضرت غمگینؒ ہی کا عطیہ ہے۔ حضرت غمگینؒ کی شاعری ''آج کل'' دہلی اپریل ۱۹۵۷ء میں پروفیسر عبدالشکور صاحب لکھتے ہیں۔

''غالباً آپ (حضرت غمگینؒ) اردو کے پہلے ممتاز شاعر ہیں جنہوں نے مسلسل غزل کی ابتداء کی جس کے اس زمانے میں حسرت وجگر علم بردار ہوئے۔''

حضرت غمگینؒ کی مسلسل غزلوں میں سادگی اور سلاست (جو ان کے کلام کے جوہر ہیں) کے علاوہ سچے اور پائیدار جذبات کا عکس نظر آتا ہے۔ پیش ہے۔

مسلسل غزل:

پھر وہی ہے خروش و جوش ہمیں
پھر وہی دل کو اضطراری ہے
پھر وہی اپنی ہے فراموشی
پھر وہی اس کی یادگاری ہے
پھر وہی ہے فساد سا خوں میں
پھر تمنائے زخم کاری ہے
پھر ہے دل پر وہی ہجوم یاس
پھر وہی ناامیدواری ہے
پھر وہی گاہ گاہ ہے غفلت
پھر وہی گاہ ہوشیاری ہے
پھر وہی ہے صلاح کارِ جنوں
پھر وہی عشق کاروباری ہے

پھر بھرا ہے دماغ میں سودا
آمد فصل نو بہاری ہے
پھر اسے ڈھونڈنے لگیں آنکھیں
پھر وہی اس کی پردہ داری ہے
پھر وہی اس کی بات کا ہے یقیں
پھر وہی اس کی انتظاری ہے
پھر وہی اپنی ہے ہوا پردہ
پھر وہی میری خاکساری ہے
پھر وہی شوق ہے خرابی کا
پھر وہی آہ ذوق خواری ہے
جو مجازی میں طرح تھی غمگینؔ
وہ حقیقی میں پھر ہماری ہے

انتخاب غزلیات

حضرت غمگینؒ کے دیوان غزلیات ''مخزن الاسرار'' کا ردیف وار ایک ایک غزل کا انتخاب یہاں پیش ہے۔ جبکہ دیوان میں ۷۹۹ غزلیں ہیں۔ اس انتخاب میں ان کی ہر دو ادوار کی غزلوں کو شامل کیا گیا ہے۔ اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ اس انتخاب کے ذریعہ حضرت غمگینؒ کے دیوانِ غزلیات کا ایک مجموعی تاثر ذہن نشین ہو جائے اور ان کی غزل گوئی کی اہمیت اور انفرادیت کو اہلِ ذوق حضرات محسوس فرما سکیں۔

(الف)

ظاہر و باطن ہے حمد و نعت ہر انسان کا
ہائے کیا مطلع ہے غمگیں اپنے اس دیوان کا

دم بدم جس کی نئی ہو شان اے واعظ بتا
ہو بیاں کس شان سے بتلا اب اس کی شان کا

روبرو ہے پر اسے دیکھا نہیں جاتا ہے آہ
کیا کہوں میں حال اپنے حسرت و ارمان کا

بے سروسامانی اک ساماں ہے اے دل یاد رکھ
کاروانِ عشق میں ہر بے سروسامان کا

معرفت پر اس کے حق کی معرفت موقوف ہے
مرتبہ ایسا ہے عالی حضرتِ انسان کا

جنگ اپنے نفس سے مشکل ہے کچھ آساں نہیں
سو میں اک نکلے ہے اے دل مرد اس میدان کا

لکھ بدل کر قافیہ اک اور اے غمگیںؔ غزل
جس کو جی جل جائے سن کر زاہدِ نادان کا

(ب)

رہتا ہے پاس تیرے شب و روز یار اب
کیوں بے قرار ہے تو دلِ بے قرار اب

ساقی تری نگاہ کے مدہوش ہیں تمام
اس میکدے میں کوئی نہیں ہوشیار اب

جس کا کہ منتظر ہے اسے جانتا ہے تو
کس کا پھر اے دلا ہے بتا انتظار اب

اس گل بدن کے ساتھ ہی رہتا ہے غیر آہ
دامن سے گل کے چھوٹے یہ کس طرح خار اب

قدرت نہیں ہے بات بھی کرنے کی یار سے
مضطر ہے اس قدر دلِ پُر اضطرار اب

دست جنون و خار بیاباں کے ہاتھ سے
دامان و جیب میں نہ رہا ایک تار اب

ایسا تو کس کے عشق میں بے اختیار ہے
غمگیںؔ تجھے نہیں ہے جو کچھ اختیار اب

(پ)

نئی طرح سے اب ستاتے ہیں آپ
بلاتے ہیں مجھ کو نہ آتے ہیں آپ

مجھے یاد وہ وہ ، دلاتے ہیں آپ
کہ جو یاد میں سب بھلاتے ہیں آپ

شب وصل میں شمع سا مجھ کو آہ
جلاتے، ہنساتے، رُلاتے ہیں آپ

لڑاتے ہیں غیروں سے محفل میں آنکھیں
جو دیکھوں تو آنکھیں دکھاتے ہیں آپ

نشے میں ہوں سرشار الفت کی میں
شراب اور اس پر پلاتے ہیں آپ

مجھے بات کا آپ کے ہے یقیں
قسم کیوں مرے سر کی کھاتے ہیں آپ

یہ بے وجہ ہر شب نہیں سیرِ باغ
کوئی تازہ گُل اب کھلاتے ہیں آپ

بھلا اس نے کیا تم کو دیکھا نہیں
کہ غمگیں سے یوں منہ چھپاتے ہیں آپ

(ت)

ہرگز نہیں دل صبور اے دوست
تو بخش مرا قصور اے دوست

غائب ہے تو گو ہزار مجھ سے
پر میں ہوں ترے حضور اے دوست

آیا نہ ترے خیال میں گاہ
میرا ہی ہے یہ قصور اے دوست

ہر وادی ہے مجھ کو ایمن اے یار
ہر سنگ ہے کوہ طور اے دوست

زندہ ہوں اگر میں تیرے نزدیک
مردہ ہوں میں تجھ سے دور اے دوست

اب اور غزل میں کچھ کہیے حال
غمگیںؔ کو ہوا ضرور اے دوست

(ٹ)

تڑپ کے شاخ سے بلبل گئی ہے خاک میں لوٹ
جب اس کے روبرو گل چیں نے اس کی باندھی پوٹ

کسی کے زخم جگر کا وہ کیا علاج کرے
لگی ہو عشق کی جس کے نہ آہ دل پر چوٹ

خبر نہیں انھیں کچھ عقل سے جو کہتے ہیں
خدا کو جا کے فرشتے دیا کریں ہیں رپورٹ

کہیں ہیں اور، ہے کچھ اور حدیث کے معنی
وہ جانے کیا کہ ہے غمگیںؔ پہاڑ تل کے اوٹ

(ث)

نشے میں رات کو مجھ پاس یاں آنے کا کیا باعث
پھر آتے ہی یہ گھبرا کر چلے جانے کا کیا باعث

گیا تھا کل بھی اس کوچے میں تو' اور آج جاتا ہے
نہ پہنچے جس جگہ اے دل وہاں جانے کا کیا باعث

تصدق آپ کے جاؤں عجب تقدیر الٹی ہے
بھلا بندے سے صاحب تم کو دکھ پانے کا کیا باعث

بتا ہمدم نہیں اک دم میں میرا دم نکلتا ہے
یکا یک بیٹھے بیٹھے دل کے گھبرانے کا کیا باعث

ہمیں دعویٰ تھا اے غمگیںؔ خدا کو بھی نہ چاہیں گے
پھر اس کا فرصنم پہ دل کے آجانے کا کیا باعث

(ج)

کل ہی کا دن تو ہے اے یار آج
کل کا پھر کرتا ہے تو اقرار آج

کل کی شب کا ہے بہت مجھ کو خمار
ساقیا کردے مجھے سرشار آج

ہوں ازل سے آہ میں بے اختیار
عشق سے تیرے نہیں ناچار آج

حشر میں مشکل ہے جس کا دیکھنا
کررہا ہوں اس کا میں دیدار آج

دور میں اس نرگسِ مخمور کے
کون ہے غمگیںؔ بتا ہوشیار آج

(چ)

جس کو کہ نہ ہو عشق وہ ہے ہائے بشر ہیچ
گل اور ثمر جس میں نہ ہو ہے وہ شجر ہیچ

ہردم اگر اس نور کی تائید نہ ہووے
اک دم میں یہ ہوجائیں ابھی شمس وقمر ہیچ

اے نالہ ءِ شب تجھ میں بھی تاثیر نہیں آہ
اے آہِ سحر آہ نہیں تجھ میں اثر ہیچ

مجھ پر نہ پسیجا کبھی اس بت کا ذرا دل
واللہ کہ اے آہ نہیں تجھ میں اثر ہیچ

پہنچا ہے نہ پہنچے کبھی اس پردہ نشیں تک
اے دل ہوترا کوچے میں اس کے ہے گذر ہیچ

تو فکر کبھی بھول کے مت کیجیو اس کا
غمگیںؔ یہ رہے یاد کہ ہے اس کی کمر ہیچ

(ح)

پہنچے یہ اس کے کان تلک بات کس طرح
اب شب کو ہائے ہوگی ملاقات کس طرح

اے خضرِ عشق تجھ سے کھلے تو کھلے یہ بھید
اُٹھ جائے دل سے پردہ ظلمات کس طرح

مرنا نہ تھا نصیب میں ہونا تھا شرم سار
تو ہجر کی نہ پوچھ کٹی رات کس طرح

جو بات بات میں ہو خفا مجھ سے بے سبب
اس ڈھب کی اس سے یار کروں بات کس طرح

بتلا مجھے تو پیرِ مغاں کوئی اِس کی راہ
دنیا کے دور ہوں یہ خیالات کس طرح

بولا شراب کا نہ ہو گر مبتدی کو شوق
جاویں پھر اس کے دل سے یہ خطرات کس طرح

غمگیں رقیب دیکھے ہے چھپ چھپ مجھے ایسے
محفل میں اب کروں میں اشارات کس طرح

(خ)

پھر وہاں آہ میں کہاں اے شوخ
میں نے دیکھا تجھے جہاں اے شوخ

تیری تعریف جو کروں میں آہ
ہے بیاں کی کہاں زباں اے شوخ

میں بہ ہر شکل دیکھتا ہوں تجھے
گو بہ ظاہر ہے تو نہاں اے شوخ

تیرے کوچے میں آرہوں گا میں
تنگ مجھ پر ہے آسماں اے شوخ

نہیں لگتا سراغ دل تجھ بن
میں نے ڈھونڈا کہاں کہاں اے شوخ

خاک میں جب تلک کہ میں جاؤں
سر ہے اور تیرا آستاں اے شوخ

دوسری بھی غزل میں غمگیںؔ کے
صرف تیرا ہی ہے بیاں اے شوخ

(د)

کچھ نہ کچھ بھید مرا اس پہ کُھلا میرے بعد
کہ کُھلی رکھنے لگا بند قبا میرے بعد

سب ہوئے مست وفا ظلم سے عاشق اس کے
سخت آوارہ ہوئی مہرو وفا میرے بعد

اس کے اب ہاتھ سے کی سب نے وفا سے توبہ
نہ رہے اہلِ وفا اہلِ جفا میرے بعد

بعد مجنوں کے رکھا دشت کو میں نے آباد
ایسے ویرانے میں کون آ کے رہا میرے بعد

بزم سے اُٹھ کے میں بیٹھا پسِ دیوار رہا
ذکر میرا بھی کسی نے نہ کیا میرے بعد

ہے مگر مجھ سے ہی عالم کو بقا اے غمگیںؔ
کہ یہ آخر ہے یقیں جان فنا میرے بعد

حضرت غمگینؒ کے دیوانِ غزلیات میں (ڈ) کی ردیف میں غزل ہوگی ضرور مگر دیوان میں شامل نہیں ہو پائی ہے۔

(ذ)

جس کے خیال لب سے ہو کام و دہاں لذیذ
کیونکر نہ اس کے منہ سے لگیں گالیاں لذیذ

لذّت جو اس کے ذکر سے آتی ہے دل کو آہ
ایسا جہاں میں کوئی نہیں ہے بیاں لذیذ

ہوش و حواس کھاتے ہی پرواز کر گئی
ایسی لگی ہما کو مری استخواں لذیذ

دے گا کمال لطف نشے میں شراب کے
ہے یہ کباب دل بہت اے میری جاں لذیذ

غمگیں جو غم کے کھانے کی لذت بیاں کرے
ہو جائے دردمندوں کو کام دہاں لذیذ

(ر)

نہ کر خورشید رو مجھ پر تو یہ جور
مرے احوال پر ذرہ تو کر غور

ہوئے ہم خاک اس گردش سے یارب
فلک کا دیکھئے کب تک رہے زور

بچے گا ہجر کے غم سے یہ دیکھیں
کچھ اس دل کا ہے اپنے طور بے طور

خفا ہو ہم سے اوروں سے رہو خوش
ہوئے بس اور اپنے اور ہم اور

ترے اب ہجر میں مرتا ہے غمگیں
جو تو جاوے تو وہ جیتا ہے فی الفور

(ڑ)

کیجئے مت باتیں اس قدر منہ توڑ
ورنہ ہم بھی کہیں گے توڑ کے جوڑ
آنکھ اُٹھا سامنے وہ کب دیکھے
بیٹھا میری طرف سے جو منہ موڑ

میں نہ دوں گا جواب تو کر لے
ایک سے لے کے مجھ کو تا بہ کروڑ

میں نے چھوڑا نہ ہجر میں بھی تمہیں
وصل میں تم کو کس طرح دوں چھوڑ

کام رونے کا کیا یہ گذرا ہے
اب تو دامن پہ آرہا ہے نچوڑ

وہ کہے ہے کہ پھر میں آؤں گا
مجھے اب تو' خدا کے واسطے چھوڑ

تو نہیں پاک باز اے غمگیں
صاف کہتا ہے سب میں وہ دل پھوڑ

(ز)

نہیں بھولتا ہائے فرقت کا روز
مجھے یاد ہے وہ قیامت کا روز
کٹے کس طرح ہجر میں ہمدمو
غضب کی ہے شب اور آفت کا روز

نکلتے نکلتے رہا شب کو دم
تری یاد آیا جو صحبت کا روز

ہوا تھا مجھے عشق جب تجھ سے یار
نہ تھی وصل کی شب نہ فرقت کا روز

غم و رنج یہ بھی گذر جائیں گے
کٹا جس طرح عیش و عشرت کا روز

خفا ہو کے شب کو گیا ہے وہ گھر
نہیں آج ناصح نصیحت کا روز

وہ آئینہ رو تجھ سے یوں ہے بہم
یہ کیا آج غمگیںؔ ہے حیرت کا روز

(س)

جس کو ہوا ہجر کا آزار بس
پھر نہ جیا ہائے وہ بیمار بس

قید و عالم سے میں آزاد ہوں
آپ ہی اپنا ہوں گرفتار بس
نوح کا طوفاں بھی کیا تو نے مات
بس مرے اے دیدہ خونبار بس

ساقی پلا جتنی کہ چاہے شراب
میں نہ کہوں گا کبھی اے یار بس

آرزو ہے اب یہی وقتِ اخیر
پھر میں تجھے دیکھ لوں اے یار بس

جنت و دوزخ سے نہیں کام کچھ
مجھ کو وہاں ہے ترا دیدار بس

جتنا کہ مدہوش ہے غمگیںؔ ترا
اتنا تو مے خوار ہو ہوشیار بس

(ش)

مت ڈر کے نہیں اور کسی بات کی خواہش
گر ہے تو تری صرف ملاقات کی خواہش

جس طرح گذرتی ہے ترے وصل میں میری
کمبخت ہو جس کو ہو اس اوقات کی خواہش

اس راہ میں یہ دام میں ہوتا نہ گرفتار
اے دل نہ کبھی کیجو کرامات کی خواہش

ہم مستوں کو خود مے کی بھی خواہش نہیں زاہد
یہ تجھ کو مبارک یہ عبادات کی خواہش

نقصان کی تکمیل ہوئی جب سے کہ غمگیں
تب سے نہیں کچھ ہم کو کمالات کی خواہش

(ص)

بزم عشرت میں میرے از اخلاص
مشتری اور زہرہ ہے رقاص

دیدِ گُل تیرے مرغِ دل ہو نصیب
دام سے زلف کے اگر ہو خلاص

آپ بے فکر ہاتھ صاف کریں
کون ہم میکشوں میں ہے قصاص

امتحان لے شراب سے ان کا
منتظر ساقیا ہیں سب اشخاص

ہے تشخص تمیز کا اے دل
ورنہ اک جنس ہے یہ عام و خاص

دل کو یوں کر تو غرق بحرِ فنا
جیسے غوطہ لگائے ہیں غوّاص

نہیں رکھتے ہیں ہوش جز معشوق
مے میں ساقی عجیب ہے یہ خواص

وہ کہیں ہیں کمال ابتر ہے
کرے غمگیں سے کوئی کیا اخلاص

(ض)

غیر کے گھر اس کو کچھ آنے نہ جانے سے غرض
ہمدمو، ایک صرف ہے میرے ستانے سے غرض

دل لگائے بن کسو سے جی نہیں لگتا مرا
اس سوا ہرگز نہیں کچھ دل لگانے سے غرض

وقت کا موقع یہی ہے اے دل اب معذور رکھ
ورنہ غیروں کے بھلا مجھ کو منانے سے غرض

سیر ہو گر دیکھنی منظور، تو دیجئے شراب
بس یہی ہوگی تمہیں میرے بلانے سے غرض

نام کا بھی تو نہ ہو تیرے کسی کو اعتبار
یہ بھی اے غمگیں انھیں تیرے ہنسانے سے غرض

(ط)

دل نے کیا ہے ڈھونڈ کے اس دل ربا سے ربط
بالکل نہیں ہے جس کو کہ مہر و وفا سے ربط

بندے جو ان کی بندگی کرتے ہیں اختیار
کیا جانے ان بتوں کو ہے کیا کچھ خدا سے ربط

ہو جائے بے نیاز، فناؤ بقا سے یار
گر چند روز تجھ کو ہو اہل فنا سے ربط

عاشق سے ہونے دیتے نہ معشوق کو جدا
ہوتا گر آہ مجھ کو قدر اور قضا سے ربط

تائید حبِ ذاتی نہ جب تک وہاں سے ہو
ممکن نہیں کہ بندے کو ہووے خدا سے ربط

غمگیں جسے فنا سے کہ حاصل ہے رابطہ
اس کو نہیں ضرور کہ رکھے بقا سے ربط

(ظ)

زلف ہے اس کی پریشان الحفیظ
الحفیظ اے دین و ایماں الحفیظ

ہائے شیشہ میں نہیں ساقی شراب
اور آیا برق و باراں الحفیظ

یاں جنوں کا شور ہے اے ہم نفس
جوش پر ہے واں گلستاں الحفیظ

دیکھ ہمایوں کے مت کر گھر خراب
تجھ سے بس اے چشم گریاں الحفیظ

تاب بن دیکھے نہ دیکھے سے ہے آہ
تیرے مکھڑے سے ہے جاناں الحفیظ

تیرے ترک چشم سے اے ترک چشم
مانگتے ہیں ترک، توراں الحفیظ

اور دردوں کا نہیں غمگیں کو غم
تجھ سے لیکن درد ہجراں الحفیظ

(ع)

میں، مرا، تیرا، تو ہے، بے موقع
اب تو یہ گفتگو ہے بے موقع

ہو نہ جب تک زبان و دل یکساں
شیخ یہ ہاؤ ہو ہے بے موقع

حال مت پوچھ تند خو میرا
کہ بہت میری خو ہے بے موقع

غیر پہ تیری مہربانی یہ
صرف اے ماہ رو ہے بے موقع

موسم برشگال میں ہمدم
ان پہاڑوں کی لو ہے بے موقع

بات کرنی تو پہلے سیکھ رقیب
تیری یہ گفتگو ہے بے موقع

اے ولا تجھ سے اس سے کیا نسبت
یہ تری جستجو ہے بے موقع

ہو نہ تاثیر جس کے نعرے میں
اس کی سب ہاؤ ہو ہے بے موقع

اپنی کرتا ہے کس لیے تو تلاش
یہ تری جستجو ہے بے موقع

تو ہی عاشق ہے تو ہی ہے معشوق
اپنی اب آرزو ہے بے موقع

پھر گریباں کو چاک کر غمگیں
جیب میں یہ رفو ہے بے موقع

(غ)

کہیں دیکھ پائے جو اس دل کے داغ
گیا بھول وہ رشکِ گُل سیرِ باغ

جو وہ کام میرا ہوا ے خضرِ عشق
چڑھاؤں میں درِ پا یہ گھی کے چراغ

وہ دلبر گیا جب سے گھر اپنے آہ
ملا میرے دل کا نہ مطلق سراغ

ترے ہجر سے آہ جو ہو بہ تنگ
بھلا اس کے دل کو ہو کیونکر فراغ

ہم اس چشمِ مخمور کے عشق میں
سمجھتے ہیں اس چشمِ دل کو ایاغ

قیامت ہے محشر حساب و کتاب
نہیں مرگ کے بعد بھی اب فراغ

ملا خاک میں گو کہ غمگیںؔ ترا
ولیکن فلک پر ہے اس کا دماغ

(ف)

جو دل آرام سے نہیں واقف
سحر و شام سے نہیں واقف

جو کہ بندے ہیں عشق کے زاہد
کفر و اسلام سے نہیں واقف

جزوِ کُل کو میں جانتا ہوں ایک
خاص اور عام سے نہیں واقف

جس کو اثبات ہوگیا ہے وہ
الف و لام سے نہیں واقف

مست ہیں جو شراب عشق میں وہ
کچھ مے و جام سے نہیں واقف

ایسے ناکام ہیں ہم اے غمگیںؔ
جو کسی کام سے نہیں واقف

(ق)

فدا جو تجھ پہ مثال چکور ہیں عشاق
بہ شانِ ماہ ہوا ہے تو شہرہ آفاق

اثر کیا ہے مرے دل میں زہر ہجراں نے
ترا وصال ہی اب اس کے حق میں ہے تریاق

جمال اپنا دکھادے اب اُن کو اے پیارے
کہ تیرے حسن کے عاشق ازل سے ہیں مشتاق

تمام شمع کی ٹھنڈی ہو گرم بازاری
اگرچہ دیکھے مرے شعلہ رو کی سیمیں ساق

جہاں میں منعم و شاہ و گدا سے اے غمگیں
طمع نہ کیجئے ہرگز کہ ہے خدا رزّاق

(ک)

ہم جستجوئے یار میں پہنچے وہاں تلک
انسان کا گذر نہیں ہوتا جہاں تلک

جو بدگماں ہوں میں وہ نہیں مجھ سے بدگماں
میں بدگماں ہوں اپنے ہی وہم و گماں تلک

اپنا خیال بھی نہیں آتا ہمیں کبھی
تیرا خیال، یار رہے ہے یہاں تلک

کس طرح اپنی جان کہوں اس کو ہمدمو
جس پر سے میں نثار کروں اپنی جاں تلک

آخر پھر آکے اپنے ہی دل میں ملا سراغ
ہم ڈھونڈھ آئے اس کو کہاں سے کہاں تلک

دیکھا تو بس جہاں تھے وہیں کے وہیں ہیں ہم
طے کر کے سب مقام جو پہنچے وہاں تلک

غمگیں وہ نور نا تمنا ہی ہے یاد رکھ
جو نور ہے زمیں سے لگا آسماں تلک

(گ)

مجھ سے آزردہ جو اس گل رو کو اب پاتے ہیں لوگ
اور ہی رنگت سے کچھ کچھ آکے فرماتے ہیں لوگ

جب سے جانا بند میرا ہوگیا اے ہمدمو
تب سے ان کے گھر میں ہر ہر طرح کے آتے ہیں لوگ

میری آہ سرد کی تاثیر اس کے دل میں دیکھ
ہائے کس کس طرح مجھ پر اس کو گرماتے ہیں لوگ

جب وہ گھبراتے تھے مجھ سے تب تھے اُن کے گھر کے خوش
اب جو وہ خوش ہیں تو ان کے گھر کے گھبراتے ہیں لوگ

کوئی سمجھاؤ انھیں بہرِ خدا اے مومنو!
اس صنم کے عشق میں جو مجھ کو سمجھاتے ہیں لوگ

روزِ ہجراں تو دکھایا سو فریبوں سے مجھے
دیکھئے اب اور کیا کیا ہائے دکھلاتے ہیں لوگ

جو لگاتے تھے بجھاتے تھے ہمیشہ ان سے آہ
وہ ہی اب ناچار غمگیں مجھ سے شرماتے ہیں لوگ

(ل)

ہم بتادیں تمہیں دنیا میں کہ کیا ہے مشکل
دل کو اس بُت سے لگانا بہ خدا ہے مشکل

جاں وہاں ہے مری اور یہ ہے جسم یہاں
اب مجھے ہجر میں مرنا بھی ہوا ہے مشکل

چاک خرقہ نہ کرے شیخ تری دیکھ کے دھج
میرے نزدیک یہ اے تنگ قبا ہے مشکل

چھوڑ دینا بہت آساں ہے ہمیں دنیا کا
اس کدورت سے مگر ہائے صفا ہے مشکل

کہدے ان لوگوں کو غمگیں کہ اسے یاں تک لائیں
جو ترے درد کی کہتے ہیں دوا ہے مشکل

(م)

بے قراری میں کبھی جو اس تلک جاتے ہیں ہم
سو خرابی سے کہیں پھر اپنے گھر آتے ہیں ہم

اس کی صورت کا تصوّر دل میں جب لاتے ہیں ہم
خود بخود اپنے سے ہمدم آپ گھبراتے ہیں ہم

جب کہ ہم چشموں سے وہ چشمک زنی کرتے ہیں آہ
بے بسی سے اشک بس آنکھوں میں بھر لاتے ہیں ہم

جب ہمارا میہماں جاتا ہے اپنے گھر کبھی
کیا اکیلے اپنے گھر میں ہائے گھبراتے ہیں ہم

نقشہ ءِ عالم کا اُٹھ جاتا ہے اس دل سے ورق
اس کی صورت جب کہ اپنے دھیان میں لاتے ہیں ہم

مجھ کو سمجھانے کو کیا تیار یہ ہوتے ہیں لوگ
کوئی یہ کہتا نہیں اس کو بھی سمجھاتے ہیں ہم

جو کلامِ عشق یہ ہرگز سمجھتا ہی نہیں
دل کو سو، سو طرح غمگیں ہائے سمجھاتے ہیں ہم

(ن)

جان کر جان کھو نہ میری جان
مان کہنا تو میرا کہنا مان

مجھ کو تو ان دنوں میں ذبح نہ کر
عید کے روز کیجیو قربان

بولتے تھے جو چھیڑ کر مجھ سے
اب نہیں بولتے کسی عنوان

جانتے تھے مجھے جو اپنا دوست
اب وہ یوں دیکھتے ہیں جوں انجان

میں نے یہ ایک دن جو ان سے کہا
میں بناؤں گا آپ کو مہمان

کیوں مرے منہ کو دیکھ دیکھ کے وہ
ہنس کے کہنے لگے یہ کیا امکان

گالیاں اور دیجے غمگیںؔ کو
اس کے منہ میں تو ہاں نہیں ہے زبان

(و)

چین پڑتا نہیں ذرا مجھ کو
یا الٰہی یہ کیا ہوا مجھ کو

میں بھی اپنے ہوں کام میں ہوشیار
یار دیوانہ مت بنا مجھ کو

میں بھلا کوئی مانتا ہوں بُرا
تو بُرا کہہ لے یا بھلا مجھ کو

تجھ سے جس شکل ہو سکے اے یار
اپنی صورت ذرا دکھا مجھ کو

اُس شرابی کی دیکھ کر آنکھیں
ہوش اپنا نہ کچھ رہا مجھ کو

ہوں میں اس وقت جان سے بیزار
دیکھ اے دل نہ تو ستا مجھ کو

دیکھ کر ان بتوں کو اے غمگیں
یاد آتا ہے بس خدا مجھ کو

(ہ)

واعظ نصیحت کر اپنی کوتاہ
مے چھوڑیں مجرم استغفراللہ

مت میکدے سے مسجد میں لے جا
رہنے دے مجھ کو اے شیخ گمراہ

دیدار ہم کو حاصل یہیں ہے
الحمد للہ، الحمد للہ

دل مفت اپنا دے بیٹھے اس کو
صدآہ، صدآہ، صدآہ، صدآہ

رہتا نہیں ہے کچھ ہوش اپنا
اس کا تصور کرتا ہوں ہرگاہ

دیکھا اسی کو جاتا نہیں ہے
جو بُت کہ میرے سے حسب دلخواہ

مکھڑے پہ کھولے بالوں کو مت پھر
یوں جھٹ پٹے میں شام و سحر گاہ

کیا حسن رکھے ہیں غمگیں صنم یہ
اللہ اللہ، اللہ اللہ

(ی)

دے مجھے کس طرح وہ دکھلائی
جو میری چشم کی ہو بینائی

اس کی کس طرح میں سنوں آواز
جو مرے گوش کی ہے شنوائی

عقل میں کس طرح سے وہ آوے
ہے وہی میری عقل دانائی

کام کرتا ہے وہ مرے سب اور
مجھ پہ کرتا ہے کارفرمائی

جان اس کو حباب بحرِ عدم
یہ جو گنبد ترا ہے مینائی

میں جو دیتا ہوں عقل مجنوں کو
تو وہ مجھ کو کہے ہے سودائی

جس کی کوئی جگہ نہیں غمگیں
جس جگہ دیکھو ہے وہ ہرجائی

(ے)

اس کی غیروں پہ مہربانی ہے
ہائے یہ میری قدردانی ہے

اُٹھنے دیتے نہیں ترے در سے
اب یہ احسان ناتوانی ہے

جی میں کیا کیا امنگ ہے آتی
بس کہ ایام نو جوانی ہے

ان دنوں میں تو غیر پر اس کی
کچھ نہایت ہی مہربانی ہے

میرا قصہ وہ سن کے یوں بولے
آپ بیتی یہ کیا کہانی ہے

میرے منہ میں زبان نہیں گویا
آپ کی یہ جو بد زبانی ہے

لطف پیری میں کیا ہے اے غمگیں
عشق ہے اور نوجوانی ہے

۱۸۵۱ء میں حضرت غمگینؒ رحلت فرما گئے۔ حضرت غمگینؒ کی ان کے دیوان غزلیات یا ان کی دیگر عربی و فارسی تصنیفات کو منظرِ عام پر نہ لانے کی کوئی ہدایت نہ تھی۔ ہر چند کہ حضرت غمگینؒ کا سرمایہ افتخار ان کی رباعیات ہی ہیں تاہم ان کی غزلیات کا دیوان ان کی وفات کے بعد ہی اگر شائع ہو جاتا تو ان کی شخصیت گمنامی میں نہ رہتی۔ سید احتشام حسین مرحوم نے حضرت غمگینؒ کی گمنامی کی نہایت معقول وجہ بیان فرمائی ہے۔

''غمگین کا تذکرہ جس انداز میں مختلف تذکرہ جات میں آتا ہے اس سے ان کی اہمیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ خاص کر شیفتہ جیسے سخن فہم اور سخن سنج نے جن الفاظ میں ان کا تذکرہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے عہد میں انہیں کون سا مقام حاصل تھا۔ پھر بھی زمانہ نے انہیں گوشہ گمنامی میں ڈال دیا۔ تاریخ ادب ایسے خطرناک واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ میرے خیال میں غمگینؒ کے شہرت نہ حاصل کرنے کا اصل سبب یہ ہے کہ اس عہد میں دہلی کو ادبی اہمیت حاصل تھی اور جو وہاں سے جتنی دور تھا اسی قدر اسے حلقہ شعر میں اپنی جگہ بنانے میں دشواری پیش آئی۔ غمگینؒ کے قیام گوالیار نے اس تعلق اور ربط کے باوجود جو انہیں

دہلی سے اور دہلی کے مختلف اہم شعراء سے حاصل تھا ان کو ادبی مرکز سے دور کر دیا۔"

بہر حال سبب کچھ بھی ہو یہ ایک حقیقت ہے کہ غمگینؒ ایک اہم شخصت کے حامل ہیں۔

حضرت غمگینؒ کی گمنامی کے جو اسباب احتشام صاحب نے مندرجہ بالا اقتباس میں تحریر فرمائے ہیں ایک حد تک درست اور قابل توجہ ہیں۔ لیکن اس طویل مدّت تک حضرت غمگینؒ کے ادبی کارناموں کے پردۂ اِخفاء میں رہنے کی وجہ حضرت غمگینؒ کے جانشینوں کا اس کی طرف سے تغافل ہے۔ اخفاء کی ہدایت (جس کا ذکر ہو چکا ہے) ہمیشہ کے لیے نہیں تھی۔

☆☆☆

کتابیات

☆ مطالعہ حضرت غمگینؒ از محمد یونس خالدی، ناشر انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ (۱۹۶۳ء)

☆ شاہ غمگینؒ اور ان کا کلام از پروفیسر عبدالشکور ناشر ادارہ فروغِ اردو، لکھنؤ (۱۹۶۴ء)

☆ سیرت الصالحین از ابراہیم بیگ چغتائی ناشر نسیم حضرت جی، کراچی (۲۰۰۶ء)

☆ مکاشفات الاسرار دیوان رباعیات حضرت غمگینؒ، ناشر نسیم حضرت جی، کراچی (۲۰۰۸ء)

☆ میر سید علی غمگینؒ دہلوی از ڈاکٹر اختر نظمی، ناشر نسیم حضرت جی، کراچی (۲۰۰۸ء)

☆ مخزن الاسرار دیوان غزلیات حضرت غمگینؒ، ناشر نسیم حضرت جی، کراچی (۲۰۰۶ء)

☆ گوالیار اور اردو زبان و ادب، از ڈاکٹر قمر گوالیاری، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی (۲۰۱۲ء)

MONOGRAPH HAZRAT GHAMGEEN DHELVI

مدھیہ پردیش اردو اکادمی، بھوپال کی چند مطبوعات

کاوشِ قلم (مضامین) ڈاکٹر مرضیہ عارف قیمت: ۱۵۰/روپے صفحات: ۲۴۴	**محفلِ دانش وراں** (مضامین) عارف عزیز قیمت: ۱۵۰/روپے، صفحات ۱۶۸	**انتخابِ سخن** (نصابی کتاب) مرتبین۔ نصرت مہدی، اقبال مسعو قیمت: ۱۰۰/روپے، صفحات ۲۹۶
تلاشِ بھوپال (مضامین) عزیز میاں قاضی قیمت: ۱۰۰/روپے، صفحات ۱۷۵	**خیال اپنا اپنا** (مضامین) محمد متین ندوی قیمت: ۱۵۰/روپے، صفحات ۱۹۲	**میگھ دُوت** مہاکوی کالیداس ترجمہ اظہر سعید قیمت: ۷۵/روپے، صفحات ۱۳۵
مضامین سید حامد (جلد اول۔دوم) مرتبین۔ خلیق انجم، نثار احمد فاروقی، ابوالفیض سحر قیمت ۳۰۰/روپے	**میخانوں کا پتہ** (سفرنامے) صغرا مہدی قیمت: ۶۰/روپے، صفحات ۱۲۸	**اٹھارہ سوستاون** (مضامین) مرتبین، نصرت مہدی، اقبال مسعود قیمت: ۱۰۰/روپے، صفحات ۱۱۲
اقلیتوں کے تعلیمی ولسانی حقوق (اردو کے خصوصی حوالے سے) مرتب۔ عزیز قریشی قیمت۔ ۵۰/روپے، صفحات ۹۶	**پریم چند شناسی** (مقالے) مرتب۔ پروفیسر آفاق احمد قیمت۔ ۵۰/روپے، صفحات ۱۴۴	**اردو آپ کے لئے** **उर्दू आप के लिए** (ہندی سے اردو سیکھنے کی کتاب) قیمت: ۴۰/روپے

رابطہ: ملا رموزی سنسکرتی بھون، بان گنگا روڈ، بھوپال۔ 462003 (ایم. پی.) Ph.0755-2551691